مصطفیٰ زیدی

میری لائبریری

قبائے ساز

میری لائبریری میں

قیمت

PDF By : Meer Zaheer Abass Rustmani

Cell NO : +92 307 2128068 - +92 308 3502081

پی ڈی ایف (PDF) کتب حاصل کرنے اور واٹس ایپ گروپ «کتاب کارنر»
میں شمولیت کے لیے مندرجہ بالا نمبرز کے واٹس ایپ پہ رابطہ کیجیے۔ شکریہ

قبائے ساز

مُصطفیٰ زیدی

مُشاعروں کے رتجگوں، ڈرائنگ رُوم کی پوسٹ ڈِنَر تفریح، اور ہنگامی حالات کے خُطبوں سے بلند و بالا ایک ایسا مقامِ شعر ہے جس کا اِدراک صرف اُنھی کو ہو سکتا ہے جو انفرادی اور جماعتی سازشوں سے بے نیاز ہو کر اپنے دِل کے خلوت کدے میں تہذیب اور ریاض کی جوت جگائیں۔ "قبائے ساز" کا شاعر کسی حلقے کے آنگن اور کسی زمانے کی چہار دیواری میں قید نہیں، لیکن اُس کی اپنی تنہائی کے سناٹے میں کئی زمانے گُم ہیں، ایک طرف اُس نے نادیدہ اور موہوم لامحدود کو اپنے جسم اور اپنی پرچھائیں میں شامل پایا ہے، اور دوسری طرف یہی جسم کبھی عِشق کی آنچ اور کبھی گناہ کی بھٹی میں تپتا ہے۔ صداقت کا یہی اعلان، مُصطفےٰ زیدی کے کلام کا منشور ہے، اور فسادِ خلق و فسادِ ذات کے انھی رنگ برنگ تاروں سے اُنھوں نے اپنے ساز کا آہنگ مرتّب کیا ہے۔

قبائے ساز

مصطفیٰ زیدی

فیض احمد فیض نے ایک جگہ کہا ہے کہ "ہمارے نوجوان شُعرا میں
مصطفیٰ زیدی کے علاوہ بہت کم ایسے ہوں گے جنھیں صحیح معنوں میں صاحبِ
طرز کہا جا سکے۔ یوں محض نئی طرز ایجاد کر لینا تو کچھ ایسا کمال نہیں لیکن ایسی طرز
جو قدیم و جدید فکر و بیان کے محاسن سے مالامال اور ساتھ ہی ساتھ دوسرے
اہلِ کمال کی کاوشوں سے مُمیّز بھی ہو، صرف اہلِ دل کے خرقۂ راسخہ کا حصّہ ہے"

جمیل نشتر کے نام

رازے کہ بر غیر نگفتیم و نگوئیم
با دوست بگوئیم کہ او محرمِ راز است

دِن کی اک اک بُوند گراں ہَے، اک اک جُرعۂ شب نایاب
شام و سَحَر کے پَیمانے میں جو کُچھ ہَے، ڈر ڈر کے پیو
آہِستہ آہِستہ برتو اِن گِنتی کی سانسوں کو
دِل کے ہات میں شیشۂ جاں ہَے، قطرہ قطرہ کر کے پیو

"نغمگی کے قدِّ بالا پر قبائے ساز تنگ"

بُخاری

تار و پود

دل میں وُہ درد نہاں ہے کہ بتائیں کس کو ۱۱
زخمِ سفر ۱۳
حمد ۲۳
آدمی ۲۶
کیا کیا نظر کو شوقِ ہوس دیکھنے میں تھا ۲۸
طلسم ۲۹
تخلیق ۳۰
تہدیہ ۳۲
تشکک ۳۴
اندیشہ ہائے دُور و دراز ۳۶
تنہا ۳۸
کعبِ مومن سے نہ دروازۂ دَوراں سے ملا ۴۰
سچائی ۴۱
لبِ مرگ ۴۲
سایہ ۴۴
دردِ دل بھی غمِ دوراں کے برابر سے اُٹھا ۴۵
حال احوال ۴۶
کو نہیں ریت سے پھُوٹیں گی سرِ دشتِ وفا ۴۸
جس دن سے اپنا طرزِ فقیرانہ چھُٹ گیا ۴۹
شہرِ جُنوں میں چل ۵۰
غمِ دَوراں نے بھی سیکھے غمِ یاراں کے چلن ۵۱
منزل منزل ۵۲
کارواں ۵۴
نئی آبادی ۵۵
روکتا ہے غمِ اظہار سے پندار مجُھے ۵۷
ڈھلے گی رات، آئے گی سحر آہستہ آہستہ ۵۸
آندھی چلی تو نقشِ کفِ پا نہیں مِلا ۵۹
واقف نہیں اس راز سے آشفتہ سراں بھی ۶۰
دستُور ۶۱
دُنیا ۶۴
زبانِ غیر سے کیا شرحِ آرزُو کرتے" ۶۵
سفرِ آخرِ شب ۶۶
لاتحل ۶۸
ناشناس ۱ ۷۰
ناشناس ۲ ۷۲
رہ و رسمِ آشنائی ۷۴
بُجھ گئی شمعِ حرم بابِ کلیسا نہ کھُلا ۷۶
اے دَورِ کور پرور ۷۸

ایک شام ۸۰
تری ہنسی ۸۴
اِس قدر اَب غمِ دَوراں کی فراوانی ہے ۸۶
طیارہ ۸۷
ائیر ہوسٹس ۸۸
جب ہوا شب کو بدلتی ہُوئی پہلُو آئی ۹۰
ہم کافروں کی مشقِ سُخن ہائے گُفتنی ۹۱
بزم میں باعثِ تاخیر ہُوا کرتے تھے ۹۲
تہاں ہے سب سے مرادِ دِلِ سینہ بیتاب ۹۴
بے سِمتی ۹۶
کاروبار ۱۰۲
ساری محفِل لُطفِ بیاں پر جُھوم رہی ہے ۱۰۳
بازار ۱۰۴
رِشتہ جام و سبُو ۱۰۶
ایک گُمنام سپاہی کی قبر پر ۱۰۸
ایک نوحہ ۱۱۰
آواز کے سائے ۱۱۲
یہ آدمی کی گُزرگاہ ۱۱۴
گانے والیاں ۱۲۱
دیوانوں پہ کیا گُذری ۱۲۲
گُناہ گار ۱۲۴
فرار ۱۲۵
قطعات ۱۲۷
محبت ۱۳۱
خزانہ ۱۳۲
ہارجیت ۱۳۵
فسادِ ذات ۱۳۶
اِسی گھر میں ۱۳۸
وُہ اجنبی ۱۴۰
اِعتراف ۱۴۲
تُو مِری شمعِ دِل و دیدہ ۱۴۴
نذرِ حنا ۱۴۶
ایک عصرانہ ۱۴۹
سِہرا ۱۵۰
ہم لوگ ۱۵۲
رفتگاں ۱۵۴
سودا ۱۵۵
اندوہِ وفا ۱۵۶
وصال ۱۵۸
فراق ۱۶۰

○

دل میں وُہ دردِ نہاں ہے کہ بتائیں کس کو
ہاں اگر ہے تو کوئی محرمِ اسرار سُنے

خلوتِ ذہن کے ہر راز کی سرگوشی کو
یہ نہ ہو جائے کہ بازار کا بازار سُنے

نرمیٔ رمز و کنایہ کا تقاضا یہ ہے
پرِ توِ شاخ کہے، سایۂ دیوار سُنے

ہونٹ ہلنے بھی نہ پائیں کہ معانی کھُل جائیں
لمحۂ شوق کہے، ساعتِ دیدار سُنے

مَیں تو سو مرتبہ تیشے کی زباں سے کہہ دُوں
تُو جو افسانۂ فرہاد بس اِک بار سُنے

زخمِ سفر

ہزار راہِ مُغیلاں ہے کارواں کے لیے
لہُو کا رنگ ہے تزئینِ داستاں کے لیے
قدم قدم پہ بڑی سختیاں ہیں جاں کے لیے
کئی فریب کے عشوے ہیں امتحاں کے لیے
زمانہ یُوں تو ہر اِک پر نظر نہیں کرتا
قلم کی بے اَدَبی درگزُر نہیں کرتا

قلم میں لرزشِ مژگاں، قلم میں رشتۂ جاں
قلم میں زمزمہ ورَم، قلم میں شور و فُغاں
قلم میں جشنِ عُروسی، قلم میں بیوگیاں
قلم میں کوہ و بیاباں، قلم میں کاہکشاں
قلم میں حِلم بھی ہے ناز اَور وقار بھی ہے
اذانِ صُبح بھی ہے، شامِ بادہ خوار بھی ہے

اسی کے دم سے گھٹاؤں کے سُرمئی آنچل
اسی سے ہونٹ بہاراں، اسی سے آنکھ کنول
یہی کُلاہ کا ہیرا، یہی کسان کا ہَل
یہی ہے صُبحِ گُلستاں، یہی شبِ مقتل
بغیر اِس کے رہِ سروری نہیں ملتی
کسی کو دولتِ پیغمبری نہیں ملتی

چمن ہزار ہیں، لیکن گلاب اِس کا ہے
خُدا کا عرش ہے لیکن سحاب اِس کا ہے
کبھی جو ڈھل نہ سکے وُہ شباب اِس کا ہے
ہر ایک عہد کی آنکھوں میں خواب اِس کا ہے
دیارِ عشق میں مجرُوح و بے وطن یہ ہے
حریمِ حُسن میں خوشبوئے پیرہَن یہ ہے

دِنوں میں ہمہمۂ کارساز اِس کا ہے
شبوں میں زمزمۂ دِل نواز اِس کا ہے
بطُون میں ابدیّت کے راز اِس کا ہے
سرِشک وقت کے ہیں اور گُداز اِس کا ہے
مثالِ حضرتِ آدم گُناہ گار بھی ہے
حریمِ عِصمتِ مریم کا پَردہ دار بھی ہے

ہر اِک سے بے خبری بھی، ہر اِک کا محرم بھی
شرر بسینہ بھی ہے اَور لب بشبنم بھی
محلِّ زخم بھی ہے اَور مقامِ مرہم بھی
ہلالِ عید بھی ہے، عشرۂ محرّم بھی
بغاوتوں کے درخشاں عَلَم اُٹھائے ہُوئے
جگر کے طاق میں شمعِ مُبیں جلائے ہُوئے

قلم کی راہ میں جو آئے دِل کو مار کے آئے
شبِ درازِ غمِ بے کراں گزار کے آئے
گلے سے طوقِ زمان و مکاں اُتار کے آئے
بڑے بڑوں کو بہ بانگِ دُہل پکار کے آئے
بہت بہاد طلب ہے رہِ وفا اِس کی
کہ اِنتہائے جنُوں سے ہے ابتدا اِس کی

اِدھر بلاؤں پہ جو مُسکرا سکے وُہ آئے
جو تاج و تخت پہ ٹھوکر لگا سکے وُہ آئے
جو آسمان کو نیچا دکھا سکے وُہ آئے
جو اپنے آپ سے آنکھیں لڑا سکے وُہ آئے
ردائے زر کا نہیں جو کفن کا شیدا ہو
اِدھر وُہ آئے جو دار و رسن کا شیدا ہو

جسے خبر ہو کہ کس نے نقاب اُٹھائی ہے
یہ عہدِ گُرز ہے یا عصرِ مومیائی ہے
یہ عادلی ہے کہ نمرُود کی خُدائی ہے
یہ خونِ دل ہے قلم میں کہ روشنائی ہے
جو نقش و رنگ سے آدابِ سادگی پُوچھے
جو خسروی سے مزاجِ جفاکشی پُوچھے

جو خشتِ حرف سے دیوار و در بناتا ہو
نفس کے لوچ سے تیغ و تبر بناتا ہو
جو آندھیوں میں ستاروں کے گھر بناتا ہو
جو خود طلسمِ قضا و قدر بناتا ہو
جو ایک سانس میں طے راہِ کائنات کرے
خُدا سے بھی نہ، سرِ حشر ادب کے بات کرے

کہاں مقامِ سُخن اَور کہاں سیاستِ شب
کہاں یہ اشک کہاں تاجرانِ جشنِ طرب
کہاں رَجز کی بلندی کہاں سِلے ہُوئے لَب
کہاں زمان و مکاں اَور کہاں عِراق و عَرب
حدُودِ شام و سَحَر سے نِکل گئے کچُھ لوگ
ذرا سی دُھوپ میں آکر پِگھل گئے کچُھ لوگ

کِسی نے دَولت فانی کو دیوتا جانا
اَدب کو رزق کمانے کا مشغلا جانا
جِگر کے خُون کو رنگینیٔ حنا جانا
بُتانِ ہیکلِ اوہام کو خُدا جانا
غمِ حیات کو بے مُدّعا بنا ڈالا
ہُنَر کو، کاسۂ دستِ گدا بنا ڈالا

اَب ان میں ذہن کی بازی گری کے قصّے ہیں
عبائے اطلس و تاجِ زری کے قصّے ہیں
رئیسِ وقت کی پیغمبری کے قصّے ہیں
طلسمِ ہوشرُبا کی پری کے قصّے ہیں
دُھواں دُھواں ہے فضا سحرِ سامری کی طرح
ضعیف آنکھوں کی دُھندلی سی روشنی کی طرح

خُمِ شکستۂ تاج و نگیں کے چرچے ہیں
ادائے لیلیٔ جنّت نشیں کے چرچے ہیں
مُجاہداتِ فریب آفریں کے چرچے ہیں
مُکاشفاتِ بُزرگانِ دیں کے چرچے ہیں
کوئی رکوُع میں ہے خانقاہ کے آگے
کوئی سجوُد میں ہے کجکلاہ کے آگے

سُنو قلم کے مُہمات جاننے والو
دلِ حیات کے ضربات جاننے والو
مزاجِ ارض و سماوات جاننے والو
ادب کے جملہ مقامات جاننے والو
تمھیں نہ صرف شبستاں میں جا کے لکھنا ہے
ہر ایک عہد کے زنداں میں جا کے لکھنا ہے

تپک ہی ایک حقیقت نہیں کماں بھی ہے
زمین بھی ہے، فضا بھی ہے، آسمان بھی ہے
جو کاٹ دی ہے حکومت نے وُہ زبان بھی ہے
حکومتوں پہ جو گُذری وُہ داستان بھی ہے
عتاب و لُطف و سزا و جزا کا قصّہ ہے
رقم کرو کہ یہ قصّہ وفا کا قصّہ ہے

لکھو کہ تابعِ شاہی نہیں مزاجِ عوام
شکست کھا کے رہے گی چراغ سے ہر شام
ہر ایک عہد میں ہوں گے ہزار گُل اندام
ہر ایک عہد میں آئے گا عشق پر الزام
جہاں بھی مطلعِ حق پر سحاب اُٹھے گا
کسی قلم سے کوئی آفتاب اُٹھے گا

حمد

ہم نے اُس قوّتِ موہُوم کو دیکھا نہ سُنا
ہم نے اُس گوہرِ نادیدہ کو پرکھا نہ چُنا

اِک سواری کہ شناسا نہ تھی، گھر پر اُتری
اِک تجلّی تھی کہ تہذیب نظر پر اُتری

جلوے دیکھے جو کبھی شاملِ ایماں بھی نہ تھے
اَور ہم اَیسے تن آساں تھے کہ حیراں بھی نہ تھے

دِل کے آغوش میں اِک نُور مُہکتا آیا
ایک لمحہ کئی صدیوں پہ چمکتا آیا

وہم و تشکیک سے اِلہام شعاری نہ رُکی
شب سے شہزادۂ خاور کی سواری نہ رُکی

پتّھروں کے صدفِ تیرہ سے ہیرے اُبھرے
بے کراں مَوج سے بے نام جزیرے اُبھرے

آتیں گونج اُٹھیں حکمت گویا کے بغیر
مشعلیں جلنے لگیں شعلۂ سینا کے بغیر

نکہتِ بے بصراں دیدہ وری تک پہنچی
ضربِ شیشے پہ لگی، شیشہ گری تک پہنچی

اجنبی شہر سے اِک بُوئے چمن ساز آئی
دم بخود، مُہر بہ لب، وقت سے آواز آئی

ذات کا کرب بھی مَیں، صُبح کا آرام بھی مَیں
حد و بے حد بھی مَیں، بے نام بھی مَیں، نام بھی مَیں

صحنِ خاموش بھی مَیں، حلقۂ آواز بھی مَیں
دستِ محمود بھی مَیں، آذرِ بُت ساز بھی مَیں

سنگ و سنجاب بھی ہُوں، شعلہ بھی ہُوں، خاک بھی ہُوں
مَیں ترا وہم بھی ہُوں، مَیں ترا ادراک بھی ہُوں

ساز کی گونج بھی ہُوں، تیغ کی جھنکار بھی ہُوں
میں کڑی دُھوپ بھی ہُوں، سایۂ دیوار بھی ہُوں

میراہی سوزِ خموشی ہے ہر آہنگ کے ساتھ
میری ہی نرمیٔ مسلک ہے رگِ سنگ کے ساتھ

میری رُوداد وُہی ہے جو جہاں پر گزُری
لامکاں پر بھی وُہ گزُری جو مکاں پر گزُری

گردشیں تجھ سے ملیں تو مرے پاس آئیں بھی
مَیں ترِا جسم بھی ہُوں مَیں ترِی پرچھائیں بھی"

آدمی

مجھ کو محصور کیا ہے مری آگاہی نے
مَیں نہ آفاق کا پابند نہ دیواروں کا
مَیں نہ شبنم کا پرستار نہ انگاروں کا
نہ خلاؤں کا طلب گار نہ سیّاروں کا

زندگی دُھوپ کا میدان بنی بیٹھی ہے
اپنا سایہ بھی گریزاں، ترا داماں بھی خفا
رات کا رُوپ بھی بے زار، چراغاں بھی خفا
صبحِ یاراں بھی خفا، شامِ حریفاں بھی خفا

خود کو دیکھا ہے تو اِس شکل سے خوف آتا ہے
ایک مُبہم سی صدا گنبدِ افلاک میں ہے
تارِ بے مایہ کسی دامن صد چاک میں ہے
ایک چھوٹی سی کِرن مہر کے ادراک میں ہے
جاگ اَے رُوح کی عظمت کہ مِری خاک میں ہے

○

کیا کیا نظر کو شوقِ ہوس دیکھنے میں تھا
دیکھا تو ہر جمال اِسی آئینے میں تھا

قُلزُم نے بڑھ کے چُوم لیے پھُول سے قدم
دریائے رنگ و نُور ابھی راستے میں تھا

اِک موجِ خُونِ خلق تھی، کِس کی جبیں پہ تھی؟
اِک طوقِ فردِ جُرم تھا، کِس کے گلے میں تھا؟

اِک رشتۂ وفا تھا سو کِس ناشناس سے
اِک دردِ حرزِ جاں تھا سو کِس کے صِلے میں تھا

صہبائے تُند و تیز کی حِدّت کو کیا خبر
شیشے سے پُوچھیے جو مزا ٹُوٹنے میں تھا

کیا کیا رہے ہیں حرف و حکایت کے سِلسلے
وُہ کم سُخن نہیں تھا مگر دیکھنے میں تھا

تائب تھے اِحتساب سے جب سارے بادہ کش
مُجھ کو یہ اِفتخار کہ مَیں مے کدے میں تھا

طلسم

بُجھ گیا ہے وُہ ستارہ جو مری رُوح میں تھا
کھو گئی ہے وُہ حرارت جو تری یاد میں تھی

وُہ نہیں عشرتِ آسُودگیٔ منزل میں
جو کسک جادۂ گُم گشتہ کی اُفتاد میں تھی

دُور اِک شمع لرزتی ہے پسِ پردۂ شب
اِک زمانہ تھا کہ یہ لَو مری فریاد میں تھی

ایک لاوے کی دھمک آتی تھی کُہساروں سے
اِک قیامت کی تپش تیشۂ فرہاد میں تھی

نارِسَخ ساعتِ اِمروز کہاں سے لائے
وُہ کہانی جو نظر بندیٔ اجداد میں تھی

تخلیق

کتنے جاں سوز مراحل سے گزر کر دل نے
کس قدر پیچ وخمِ سُود و زیاں دیکھے ہیں

کتنے گرداب نظر آئے ہیں دَف کے نزدیک
کتنے بھونچال سرِ آبِ رواں دیکھے ہیں

گونجتے ساز، برستے ہُوئے نغموں کے قریب
دِل کو تھامے ہُوئے اربابِ مغاں دیکھے ہیں

ڈُوبنے والوں کے ہمراہ بھنْور میں رہ کر
لبِ ساحل کے ضیابار مکاں دیکھے ہیں

جام کے رنگ میں پانی ہے لہُو کی سُرخی
کاہ کے دوش پہ سو کوہِ گراں دیکھے ہیں

مدّتوں اپنے دلِ زار کا ماتم کر کے
خُود سے بڑھ کر بھی کئی سوختہ جاں دیکھے ہیں

سنسناتے ہُوئے ذرّات کے رُخساروں پر
تُند سُورج کے طمانچوں کے نشاں دیکھے ہیں

موت کو جن کے تصوّر سے پسینہ آجائے
سینۂ زیست میں وُہ زخم نہاں دیکھے ہیں

تب کہیں جا کے اِن اشعار کے گہوارے میں
اِک بصیرت کے مہکنے کے نشاں دیکھے ہیں

تہدیہ

سُرور و کیف کے آیات لے کر آیا ہُوں
نگاہِ پیرِ خرابات لے کر آیا ہُوں

زمیں کے کرب میں شامل ہُوا ہُوں راہرو
دلِ شکستہ کی سوغات لے کر آیا ہُوں

نظر میں عصرِ جواں کی بغاوتوں کا غرُور
جگر میں سوزِ روایات لے کر آیا ہُوں

جہانِ تیرہ کی خاموشیوں کے حلقے میں
چراغ حرف و حکایات لے کر آیا ہُوں

کِدھر ہے چشمۂ حیواں مرا طواف کرے
گُناہ گار ہُوں، ظُلمات لے کر آیا ہُوں

بلند و پست سے کہہ دو کہ صف میں آجائیں
زمیں پہ ذوقِ مساوات لے کر آیا ہُوں

بہت سے آئے ہیں تیری گلی میں لیکن میں
متاعِ عزّتِ سادات لے کر آیا ہُوں

تشنگی

مجھ کو دیے
اکثر خداؤں نے بہ طورِ پیش کش دُنیا و دیں
ہَیں، مصطفیٰ زیدی ضعیفُ الاعتقاد و کم یقیں

لیکن نہیں
اَے پڑھنے والو تم کو شاید اِس کا اندازہ نہیں
جن راستوں سے ہو کے آیا ہے یہ دَورِ آخریں

اِس میں ملے
صحرا، بگولے، دشت، دریا، آگ، نفرت، تیرگی
اِلحان، گُلشن، رنگ، خوشبو، پیار، کونپل، انگبیں

اکثر یہ گھر
پیغمبروں کی سانس کی شمعیں نہ روشن کر سکیں
اکثر اِسے لَو دے گئی اِبلیس کی تیرہ جبیں

دُنیا نے بھی
دِل پر مِرے نقشِ جنوں چھوڑے نہیں، حالانکہ وُہ
سج دھج کے نکلی بھی مثالِ لُعبتانِ مصر و چیں

اُس ذات کے
بارے میں اِک عُقدے کے پیچھے سیکڑوں عُقدے بنے
ہے یا نہیں کے بعد
ممکن ہے
کہ ممکن بھی نہیں

اندیشہ ہائے دُور و دَراز

اَب سے پہلے بھی اِس محفلِ رقص میں گُھنگرُوؤں کے چھناکے بکھرتے رہے
قبل اَور وسط اَور حال کے قافلے سب اِسی راستے سے گذرتے رہے
مندروں میں کھنکتی رہیں گھنٹیاں، مسجدوں کے منارے اُبھرتے رہے

اَب سے پہلے بھی آسُودگی کے لئے آسماں کی طرف آنکھ اُٹھتی رہی
اَب سے پہلے بھی حُسنِ سفر کے لئے کہکشاں کی طرف آنکھ اُٹھتی رہی
اَب سے پہلے بھی تحقیق سے بدگماں اِعتقادات کی بات کرتے رہے

خُوبصورت سی اِک ناؤ دے کر سخن گر نے لہروں کے چکّر میں اُلجھا دیا
مُعتبر رہنماؤں نے دھوکے دِیے، خِضر صُورت بزرگوں نے بہکا دیا
خِضر صُورت بزرگوں کی آنکھوں میں تقدیس کے سُرخ ڈورے اُبھرتے رہے

آدمی کے تراشے ہُوئے وہم نے آدمی کے لیے خار و خس چُن دِیے
قیصروں سے غُلامی کا تمغہ مِلا، دیوتاؤں نے افلاس کے ہُن دِیے
پاک پروردگارِ مہ و مہر کی رحمتوں سے اندھیرے نِکھرتے رہے

چشمِ مُشتاق کو رُخ کی تابانیاں دیکھنے کی سعادت نہیں مِل سکی
شام گُذرے بھی مدّت ہُوئی اَور ابھی آئینے کو اجازت نہیں مِل سکی
صُبح بھی تجھ سے پُوچھیں گے اَے دردِ دِل تیرے گیسُو کہاں تک سنورتے رہے

تنہا

میں وُہی قطرۂ بے بحر وُہی دشت نورد
اپنے کاندھوں پہ اُٹھائے ہُوئے صحرا کا طلسم
اپنے سینے میں چھپائے ہُوئے سیلاب کا درد
ٹوٹ کر رِشتۂ تسبیح سے آ نکلا ہُوں
دِل کی دھڑکن میں دبائے ہُوئے اعمال کی فرد
میرے دامن میں برستے ہُوئے لمحوں کا خروش
میری پلکوں پہ بگولوں کی اُڑائی ہُوئی گرد

لاکھ لہروں سے اُٹھا ہے مری فِطرت کا خمیر
لاکھ قلزُم مرے سینے میں رواں رہتے ہیں
دن کو کرنیں مرے انکار کا مُنہ دھوتی ہیں
شب کو تارے مری جانب نگراں رہتے ہیں

میرے ماتھے پہ جھلکتا ہے ندامت بن کر
اِبنِ مریم کا وُہ جلوہ جو کلیسا میں نہیں

راندۂ مَوج بھی مَیں، مُجرمِ ذرّات بھی مَیں

میرا قِصّہ کِسی افسانۂ دریا میں نہیں
میری تاریخ کِسی صفحۂ صحرا میں نہیں

○

کفِ مومن سے، نہ دروازۂ دوراں سے مِلا
رشتۂ دردِ اُسی دُشمنِ ایماں سے مِلا

اِس کا رونا ہے کہ پیمانِ تُنکی کے باوصف
وُہ ستمگر اُسی پیشانیِ خنداں سے مِلا

طالبِ دستِ ہوس اَور کئی دامن تھے
ہم سے مِلتا جو نہ یُوسف کے گریباں سے مِلا

کوئی باقی نہیں اَب ترکِ تعلّق کے لئے
وُہ بھی جا کر صفِ احبابِ گریزاں سے مِلا

کیا کہیں اُس کو جو محفل میں شناسا بھی نہ تھا
کبھی خلوت میں در آیا تو دل وجاں سے مِلا

مَیں اُسی کوہ صِفَت خُون کی اِک بُوند ہُوں جو
ریگ زارِ نجف و خاکِ خُراساں سے مِلا

سچّائی

مشرق کے پنڈت، مغرب کے گرجا والے
صبح ہوئی اور سچّائی کے پیچھے بھاگے
سچّائی اِک قحبہ تھی جو رات کو تھک کر
سوئی ہوئی تھی، شور سُنا تو خوف کے مارے
تھر تھر کانپی، روزِ عدالت سے گھبرائی
بھیس بدل کر پیچھے نکلی، آگے آ گئے
مشرق کے پنڈت مغرب کے گرجا والے

لبِ مرگ

قوم کے پاس اب رہا کیا ہے
شاعرانہ تعلّیوں کے سوا
ہیں معالج مگر دوا کیا دیں
جانکنی میں، تسلّیوں کے سوا

سایہ

تمام شہر پہ آسیب سا مُسلّط ہے
دُھواں دُھواں ہیں دریچے، ہوا نہیں آتی
ہر ایک سمت سے چیخیں سُنائی دیتی ہیں
صدائے ہم نفَس و آشنا نہیں آتی

گھنے درخت، در و بام، نغمہ و فانُوس
تمام سحر و طلسمات و سایہ و کابُوس
ہر ایک راہ پہ آوازِ پائے نامعلُوم
ہر ایک موڑ پہ اَرواحِ زِشت و بد کا جلوُس

سفید چاند کی اُجلی قبائے سیمیں پر
سیاہ و سرد کفن کا گماں گزرتا ہے
فضا کے تخت پہ چمگادڑوں کے حلقے میں
کوئی خلا کی گھنی رات سے اُترتا ہے

تمام شہر پہ آسیب سا مُسلّط ہے
کوئی چراغ جلاؤ، کوئی حدیث پڑھو
کوئی چراغ بہ رنگِ عذارِ لالہ رُخاں
کوئی حدیث بانداز صدقۂ دِل و جاں
کوئی کِرن پئے تزئینِ غُرفہ و محراب
کوئی نوا پئے درماندگان و سوختہ جاں

سُنا ہے عالمِ رُوحانیاں کے خانہ بدوش
سحر کی روشنیوں سے گُریز کرتے ہیں
سحر نہیں ہے تو مشعل کا آسرا لاؤ
لبوں پہ دِل کی سُلگتی ہُوئی دُعا لاؤ
دِلوں کے غسل طہارت کے واسطے جا کر
کہیں سے خونِ شہیدانِ نینوا لاؤ

ہر اک قبا پہ کثافت کے داغ گہرے ہیں
لہُو کی بُوند سے یہ پیرہن دُھلیں تو دُھلیں
ہوا چلے تو چلے، بادباں کُھلیں تو کُھلیں

دردِ دل بھی غمِ دَوراں کے برابر سے اُٹھا
آگ صحرا میں لگی اَور دُھواں گھر سے اُٹھا

تابشِ حُسن بھی تھی، آتشِ دُنیا بھی، مگر
شعلہ جس نے مجھے پھُونکا مرے اندر سے اُٹھا

کسی موسم کی فقیروں کو ضرورت نہ رہی
آگ بھی، اَبر بھی، طُوفان بھی ساغر سے اُٹھا

بے صدف کِتنے ہی دریاؤں سے کچھ بھی نہ ہُوا
بوجھ قطرے کا تھا اَیسا کہ سمندر سے اُٹھا

چاند سے شِکوہ بَلَب ہُوں کہ سُلایا کیوں تھا
میں کہ خُورشیدِ جہانتاب کی ٹھوکر سے اُٹھا

حال احوال

ایک اکیلے ہم آ یسے جو آدھی رات ڈھلے
چھوڑ کے کاہکشاں کا رستہ انگاروں پہ چلے

سچّائی کی منزل جگمگ جگمگ کرتی ہے
لیکن اُس تک کیسے پہنچیں راہ میں آگ جلے

عُہدوں کے وُہ پودے آئے کچھ لوگوں کے ہات
صُبح کو جن کا بیج لگے اور شام کے وقت پھلے

کیسے کیسے سنگھاسن لے کر بیٹھ گئے عیّار
مُلّا، پنڈت، ڈاکو، افسر، ایک سے ایک بھلے

کوئی خِرد کی محفل میں اقوال و کمال بتائے
کوئی بزمِ جمال سجائے جام پہ جام ڈھلے

اِک پرچم کا نشان کبُوتر اُور اک کا شہباز
وُہی زمین کے خُون کے پیاسے ہر پرچم کے تلے

افسانوں کے لُطف کے پیچھے روتی ہوئی تارِیخ
ظُلم کی تلواروں کے نیچے مظلُوموں کے گلے

زیدؔی اَب سنیاسی بن کر ہم لے لیں بن باس
ماتھے پر سیندُور لگائے مُنہ پر راکھ مَلے

کونپلیں ریت سے پھُوٹیں گی سرِ دشتِ وفا
آبیاری کے لیے خونِ جگر تو لاؤ

کِسی گھونگھٹ سے نکل آئے گا رُخسار کا چاند
جو اُسے دیکھ سکے ایسی نظر تو لاؤ

شہر کے کوُچہ و بازار میں سنّاٹا ہے
آج کیا سانحہ گزُرا ہے خبر تو لاؤ

ایک لمحے کے لیے اُس نے کیا ہے اقرار
ایک لمحے کے لیے عمرِ خضر تو لاؤ

جس دن سے اپنا طرزِ فقیرانہ چھُٹ گیا
شاہی تو مل گئی دلِ شاہانہ چھُٹ گیا

کوئی تو غمگُسار تھا کوئی تو دوست تھا
اَب کِس کے پاس جائیں کہ ویرانہ چھُٹ گیا

دُنیا تمام چھُٹ گئی پیمانے کے لئے
وُہ مے کدے میں آئے تو پیمانہ چھُٹ گیا

کیا تیز پا تھے دِن کی تمازت کے قافلے
ہاتوں سے رشتۂ شبِ افسانہ چھُٹ گیا

اِک دِن حساب ہوگا کہ دُنیا کے واسطے
کِن صاحبوں کا مسلکِ رندانہ چھُٹ گیا

شہرِ جنوں میں چل

شہرِ جنوں میں چل مری محرومیوں کی رات
اُس شہر میں جہاں ترے خوں سے حنا بنے
یُوں رائگاں نہ جائے تری آہِ نیم شب
کچھ جُنبشِ نسیم بنے کچھ دُعا بنے
اِس رات دن کی گردشِ بے سُود کے عوض
کوئی عمُودِ فکر، کوئی زاویہ بنے
اک سمت اِنتہائے اُفق سے نمُود ہو
اک گھر دِیارِ دیدہ و دل سے جُدا بنے
اک داستانِ کربِ کم آموز کی جگہ
تیری ہزیمتوں سے کوئی واقعہ بنے
تُو ڈھونڈنے کو جائے تڑپنے کی لذّتیں
تجھ کو تلاش ہو کہ کوئی بے وفا بنے
وُہ سر بہ خاک ہو تری چوکھٹ کے سامنے
وُہ مرحمت تلاش کرے تُو خُدا بنے

○

غمِ دَوراں نے بھی سیکھے غمِ جاناں کے چلن
وُہی سوچی ہُوئی چالیں وُہی بے ساختہ پن

وُہی اِقرار میں اِنکار کے لاکھوں پہلُو
وُہی ہونٹوں پہ تبسّم وُہی ابرُو پہ شکن

کس کو دیکھا ہے کہ پندارِ نظر کے باوصف
ایک لمحے کے لِئے رُک گئی دِل کی دھڑکن

کون سی فصل میں اِس بار ملے ہیں تجھ سے
کہ نہ پروائے گریباں ہے نہ فکرِ دامن

اب تو چُبھتی ہے ہوا برف کے میدانوں کی
اِن دِنوں جسم کے احساس سے جلتا تھا بدن

ایسی سُونی تو کبھی شامِ غریباں بھی نہ تھی
دِل بُجھے جاتے ہیں اَے تیرگیٔ صُبحِ وطن

منزل منزل

آج کیوں میرے شب و روز ہیں محرُومِ گداز
اَے مری رُوح کے نغمے مِرے دِل کی آواز
اِک نہ اِک غم ہے نشاطِ سحر و شام کے ساتھ
اَور اِس غم کا نہ مفہوم نہ مقصد نہ جواز
مَیں تو اِقبالؔ کی چوکھٹ سے بھی مایُوس آیا
میرے اشکوں کا مداوا نہ بدخشاں نہ حجاز

چند لمحوں سے تمنّا کہ دوامی بن جائیں
ایک مرکز پہ رہے سُرخ لہُو کی ہلچل
کبھی ہر گام پہ ٹھوکر، کبھی منزل منزل
اَے جہانِ گزراں ایک سے انداز پہ چل
دِن کو مہکی ہُوئی رُت، شام کو تپتی ہُوئی ریت
زندگی اَیسے طلسمات کے حلقے سے نکل

کہیں ہر لمحہ لگاوٹ، کہیں ملنے سے گریز
دل مجبوب نما اور سنبھل اور سنبھل

اور کہیں یہ ــــ کہ اگر ایک پلک بھی ٹھہرے
کوئی لمحہ ــــ تو ہر اک سانس گراں ہو جائے
اگر اک گلشن بے خار رہے دامن وقت
یہ جہانِ گذراں ریگِ رواں ہو جائے
ایسا مذہب کہ خود اُس وجہ تعالیٰ سے گریز
ایسا الحاد کہ سجدے میں نہاں ہو جائے

اے مری رُوح کے نغمے، مرے دل کی آواز
لُطفِ شب تاب یہی رقصِ شرر ہو شاید
کتنے کوسوں کوئی منزل نہ نشانِ منزل
جُستجو ہی کوئی عرفانِ سفر ہو شاید
کوئی الحاد میں نازاں کوئی ایمان میں گُم
کبھی اِس دیدہ و دل کی بھی سحر ہو شاید
میری راتوں میں نہاں ہو نئے سُورج کی کرن
کم نگاہی میں ہی پوشیدہ نظر ہو شاید

کارواں

اِسی طرف سے زمانے کے قافلے گزرے
سکُوتِ شامِ غریباں کے خلفشار میں گُم
ذرا سا راگ خموشی کے دوش پر لرزاں
ذرا سی بُوند پُر اسرار آبشار میں گُم
گھنے اندھیرے میں گُمنام راہ رَو کی طرح
کوئی چراغ چمکتی ہُوئی قطار میں گُم
فضا میں سوئی ہُوئی گھنٹیوں کی آوازیں
ستارے نیل کی خاموش جُوئبار میں گُم
سُلگتے، پیار کی شدّت سے کانپتے ہُوئے ہونٹ
کسی کی وعدہ وفائی کے اِعتبار میں گُم
نہ جانے کتنی اُمیدیں اُفق سے آنکھ لگائے
سحر کی آس میں فردا کے اِنتظار میں گُم

نئی آبادی

سنبھل سنبھل کے چلے دوستانِ عہدِ طرب
کوئی قدیم رفاقت گلے نہ پڑ جائے
ستم زدوں کی محبّت گلے نہ پڑ جائے
کہیں پکار نہ لے درد کی کوئی چلمن
کہیں خلوص کے شعلے پکڑ نہ لیں دامن
اُتر نہ جائے رُخِ دست گیر کا غازہ
لپٹ نہ جائے قدم سے وفا کا دروازہ
دیارِ غم کی صداقت گلے نہ پڑ جائے

ادھر ستائے ہُوئے دِل نظر بچا کے چلے
ضمیرِ سنگ میں شیشے کی آبرُو کیا تھی
کھلے تھے زخم ستاروں کی جستجو کیا تھی
جھکی ہُوئی تھیں نگاہیں تھمے ہُوئے تھے قدم
سلی ہُوئی تھیں زبانیں، جلے ہُوئے تھے عَلم
وُہ خامشی کہ سُراغِ صدا نہ مِل جائے
وُہ احتیاط کہ دردِ آشنا نہ مِل جائے
دُعا کو ہات نہ اُٹھیں، پتہ نہ مِل جائے

غرض کِسی کو کِسی سے کوئی گِلہ نہ ہُوا
مہاجروں کے محلّے میں حادثہ نہ ہُوا

○

روکتا ہے غمِ اظہار سے پندار مجھے
میرے اشکوں سے چھپا لے مرے رُخسار مجھے

دیکھ اَے دشتِ جنُوں بھید نہ کھُلنے پائے
ڈھونڈنے آئے ہیں گھر کے در و دِیوار مجھے

سی دِیے ہونٹ اُسی شخص کی مجبُوری نے
جِس کی قُربت نے کِیا محرمِ اسرار مجھے

میری آنکھوں کی طرف دیکھ رہے ہیں انجم
جیسے پہچان گئیٔ رُوحِ شبِ تار مجھے

جنسِ ویرانیٔ صحرا میری دُوکان میں ہے
کیا خریدے گا ترے شہر کا بازار مجھے

جرَسِ گُل نے کئی بار پُکارا لیکن
لے گئی راہ سے زنجیر کی جھنکار مجھے

ناوکِ ظُلم اُٹھا، دشنۂ اندوہ سنبھال
لُطف کے خنجرِ بے نام سے مت مار مجھے

ساری دُنیا میں گھنی رات کا سنّاٹا تھا
صحنِ زِنداں میں ملے صُبح کے آثار مجھے

○

ڈھلے گی رات آئے گی سحر آہستہ آہستہ
پیو اُن انکھڑیوں کے نام پر آہستہ آہستہ

دِکھا دینا اُسے زخمِ جگر آہستہ آہستہ
سمجھ کر، سوچ کر، پہچان کر آہستہ آہستہ

اُٹھا دینا حجابِ رسمیاتِ درمیاں لیکن
خطاب آہستہ آہستہ نظر آہستہ آہستہ

دریچوں کو تو دیکھو، چلمنوں کے راز تو سمجھو
اُٹھیں گے پردہ ہائے بام و در آہستہ آہستہ

ابھی تاروں سے کھیلو چاندنی سے دل کو بہلاؤ
ملے گی اُس کے چہرے کی سحر آہستہ آہستہ

کہیں شام بلا ہو گی کہیں صبحِ کماں داراں
کٹے گا زُلف و مژگاں کا سفر آہستہ آہستہ

یکایک ایسے جل بُجھنے میں لطفِ جاں کنی کب تھا
جلے اِک شمع پر ہم بھی مگر آہستہ آہستہ

○

آندھی چلی تو نقشِ کفِ پا نہیں ملا
دل جس سے مل گیا وُہ دوبارا نہیں ملا
ہم انجمن میں سب کی طرف دیکھتے رہے
اپنی طرح سے کوئی اکیلا نہیں ملا
آواز کو تو کون سمجھتا کہ دُور دُور
خاموشیوں کا دردشناسا نہیں ملا
قدموں کو شوقِ آبلہ پائی تو مل گیا
لیکن بہ ظرفِ وُسعتِ صحرا نہیں ملا
کنعاں میں بھی نصیب ہُوئی خود دریدگی
چاکِ قبا کو دستِ زلیخا نہیں ملا
مہر و وفا کے دشت نوردو جواب دو
تم کو بھی وُہ غزال ملا یا نہیں ملا
کچے گھڑے نے جیت لی ندّی چڑھی ہُوئی
مضبُوط کشتیوں کو کنارا نہیں ملا

○

واقف نہیں اِس راز سے آشفتہ سراں بھی
غم تیشۂ فرہاد بھی غم سنگِ گراں بھی

اُس شخص سے وابستہ خموشی بھی بیاں بھی
جو نشترِ فصّاد بھی ہے اَور رگِ جاں بھی

کس سے کہیں اُس حسن کا افسانہ کہ جس کو
کہتے ہیں کہ ظالم ہے تو رُکتی ہے زباں بھی

ہاں یہ خمِ گردن ہے یہ تابانیٔ افشاں
پہلو میں مرے قوس بھی ہے، کاہ کشاں بھی

اَے چارہ گرو چارہ گروِ ہم کو بتاؤ
کیا اَیسے ہی آثار نمایاں ہیں وہاں بھی

چونکی ہے وُہ کس ناز سے، اَے صبحِ خوش آغاز
زُلفوں کی گھٹا بھی ہے چراغوں کا دُھوَاں بھی

دستور

کل رات کو محرابِ خرابات تھی روشن
اشعار کے حلقے میں تھی آیات کی آمد

اربابِ حکایت نے سجائی تھی ادب سے
افکار کے قائلین پہ اقوال کی مسند

اخلاص کے رشتوں پہ چھلکتے تھے نئے جام
با وضعِ قدیمانۂ اخلاقِ اَب وجد

رقصندہ و رخشندہ و تابندہ و پُرکار
جوّالہ و قتّالہ و سوزندہ و سرمَد

ہر ذرّہ گراں مایہ و آفاق نشیمن
ہر قطرہ گہُر رِشتہ و الماس و زبَرجَد

نغموں کا تلاطم تھا کہ تفسیرِ دو عالم
ہر گیت کا اِک گھیر تھا ہر بول کا اِک قد

ہر دُھن سے تراشتے تھے تھرکتے ہُوئے اصنام
ہر راگ میں اِک خال تھا، ہر تان میں اِک خد

گھُلتا ہُوا ساغر میں ہر اسلوبِ کم و بیش
مِٹتا ہُوا ہر تفرقۂ احمر و اسوَد

صہبا کی حرارت سے درکتی تھی صُراحی
بیٹھے تھے تہی جام مگر حضرتِ امجد[1]

وابستگیٔ شرعِ نظربندیٔ رِنداں
پابندیٔ آئین و گرفتاریٔ مقصد

پلکوں پہ اُٹھائے ہُوئے کہسارِ نواہی
چہرے پہ لئے تیرگیٔ مِنبر و مَعبد

[1] جناب مجید امجد

آخر حرم و دیر کے مینار پکارے
اے واقفِ اسرارِ دلِ ہوش و ابجد

دستورِ قوانینِ ازل مٹ نہیں سکتے
ہر شرع کا اِک وقت ہے ہر بات کی اِک حد

اِس شہر اور اُس شہر پہ موقوف نہیں ہے
ویراں شود آں شہر کہ مے خانہ نہ دارد[1]

[1] کاظم قمی

دُنیا

اک ہم ہی نہیں کُشتۂ رفتارِ زمانہ
یہ تُندئ رخشِ گُذراں سب کے لئے ہے

رقاصۂ طنّاز ہو یا بسمل مجروح
اسبابِ دِل آویزئ جاں سب کے لئے ہے

اک طرزِ تفکّر ہے ارسطو ہو کہ خیّام
دُنیائے معانی و بیاں سب کے لئے ہے

خاموشِ محبّت ہو کہ میدان کی للکار
محرُومئ گفتار و زباں سب کے لئے ہے

بستی ہو فقیروں کی کہ عِشرت گہِ کسریٰ
بُجھتی ہُوئی شمعوں کا دُھواں سب کے لئے ہے

دریُوزہ گرِ شہر ہو یا خسروِ آفاق
پندارِ فلاں ابنِ فلاں سب کے لئے ہے

○

"زبانِ غیر سے کیا شرحِ آرزو کرتے"
وہ خود اگر کہیں ملتا تو گفتگو کرتے

وہ زخم جس کو کیا نوکِ آفتاب سے چاک
اُسی کو سوزنِ مہتاب سے رفو کرتے

سوادِ دل میں لہو کا سُراغ بھی نہ ملا
کسے امام بناتے کہاں وضو کرتے

وہ اِک طلسم تھا، قُربت میں اُس کے عُمر کٹی
گلے لگا کے اُسے، اُس کی آرزو کرتے

حلف اُٹھائے ہیں مجبوریوں نے جس کے لیے
اُسے بھی لوگ کسی روز قبلہ رُو کرتے

جنوں کے ساتھ بھی رہیں، خرد کے ساتھ بھی قید
کِسے رفیق بناتے کِسے عدو کرتے

حجاب اُٹھا دِیئے خود ہی نگار خانوں نے
ہمیں دماغ کہاں تھا کہ آرزو کرتے

سفرِ آخرِ شب

بہت قریب سے آئی ہوائے دامنِ گُل
کسی کے رُوئے بہاریں نے حالِ دِل پُوچھا

کہ اَے فراق کی راتیں گُذارنے والو
خُمارِ آخرِ شب کا مزاج کیسا تھا

تُمھارے ساتھ رہے کون کون سے تارے
سیاہ رات میں کس کس نے تم کو چھوڑ دیا

بِچھڑ گئے کہ دغا دے گئے شریکِ سفر
اُلجھ گیا کہ وفا کا طِلسم ٹُوٹ گیا

نصیب ہو گیا کس کس کو قُربِ سُلطانی
مزاج کس کا یہاں تک قلندرانہ رہا

فِگار ہو گئے کانٹوں سے پیرہن کِتنے
زمیں کو رشکِ چمن کر گیا لہُو کِس کا

سُنائیں یا نہ سُنائیں حکایتِ شبِ غم
کہ حرف حرف صحیفہ ہے، اشک اشک قلم
کِن آنسوؤں سے بتائیں کہ حال کیسا ہے
بس اِس قدر ہے کہ جیسے ہیں سرفراز ہیں ہم
ستیزہ کار رہے ہیں جہاں بھی اُلجھے ہیں
شعارِ راہِ زناں سے مُسافروں کے قدم

ہزار دشت پڑے، لاکھ آفتاب اُبھرے
جبیں پہ گرد، پلک پر نمی نہیں آئی
کہاں کہاں نہ لُٹا کارواں فقیروں کا
متاعِ درد میں کوئی کمی نہیں آئی

لانیحل

زباں پہ مُہرِ گدائی ہے کس سے بات کروں
حرُوف کاسۂ بے مایہ ہیں، قلم کشکول
ضمیر بے حس و حرکت ہے زیست بے پہلو
شکن ہے دامنِ ہستی میں، آستین پہ جھول
مَیں خود طلسم کی پریوں سے بے کنار ہوا
کسے کہوں کہ مری رُوح کے دریچے کھول

میں اک سراب کی خواہش پہ بیچ آیا ہُوں
تمام بادہ و ساغر، تمام تشنہ لبی
حریمِ عقل میں جس کا کوئی جواز نہ تھا
نشاطِ دل تھی وُہی زندگی کی بے سببی
اُجڑ گئے مرے گلگشت، میرے رُکنا باد
مری دُعائے سحر، میری آہِ نیم شبی

کہاں وُہ دِن تھے کہ پروائے ننگ ناموس نہ تھی
کہاں یہ وقت کہ سایہ سنبھل کے چلتا ہے
مجھے کسی بھی تعیّن پہ اِختیار نہیں
یہ کوئی اَور مرے راستے بدلتا ہے
جنُوں سے رسم نہ رکھُوں تو جاں سُلگتی ہے
طلب کا قرض اُتاروں تو جسم جلتا ہے

ناشناس

(۱)

کتنے لہجوں کی کٹاریں مری گردن پہ چلیں
کتنے الفاظ کا سیسہ مرے کانوں میں گھُلا

جس میں اک سمت دھندلکا تھا اور اک سمت غبار
اُس ترازو پہ مرے درد کا سامان تُلا

کم نگاہی نے بصیرت پہ اُٹھائے نیزے
جوئے تقلید میں پیراہنِ افکار دُھلا

قحط ایسا تھا کہ برپا نہ ہوئی مجلسِ عشق
حبس ایسا تھا کہ تحقیق کا پرچم نہ کھُلا

کون سے دیس میں رہتے ہیں وہ مونس جن کی
روز اک بات سُناتے تھے سُنانے والے

ٹھوکروں میں ہے مَتاعِ دلِ ویراں کب سے
کیا ہُوئے غم کو سرآنکھوں پہ بِٹھانے والے

رات سُنسان ہے، بے نُور سِتارے مدّھم
کیا ہُوئے راہ میں پلکوں کو بچھانے والے

اَب تو وُہ دن بھی نہیں ہیں کہ مرے نام کے ساتھ
آپ کا نام بھی لیتے تھے زمانے والے

ناشناس

(۲)

اہلِ منزل کی مُسافر پہ یہ ترچھی نظریں
میزباں کی سُوئے مہماں یہ نگاہِ اکراہ

اَلحذَر خُون بہاتے ہُوئے آدابِ کرُخت
الاَماں تیر چلاتے ہُوئے اخلاقِ سیاہ

یہ خط و خال سے چھنتی ہُوئی نفرت کی شعاع
یہ جبینوں کی لکیروں سے اُبلتی ہُوئی ڈاہ

شہر کے زلزلہ بردوش، گلی کُوچوں میں
یہ کڑکتے ہُوئے لہجے، یہ جگر سوز نگاہ

اُس ترازُو میں بٹھایا ہے فلک نے مجھ کو
جس میں تُلتے ہیں حریفانِ تمدّن کے گُناہ

آدمیت کا یہ فُقدان کہ دیکھا نہ سُنا
اجنبیّت کا یہ قامُوس کہ مِلتی نہیں تھاہ

نہ وُہ رِم جِھم نہ وُہ پُروا، نہ وُہ کوئی لبِ جُو
رُخِ گردُوں پہ دُھواں ہے، لبِ گیتی پہ کراہ

میرے ہمراز، مِرے ناز اُٹھانے والے
کون سے دیس میں ہیں کوئی بتا دے لِلّٰہ

اُف یہ طوفان، یہ گرداب، یہ چھپاؤ، یہ رات
کِس طرف ہیں مری کشتی کے پُرانے ملّاح

تُند جذبات کا پھیلاؤ، الٰہی توبہ
سخت الفاظ کا پتھراؤ، عیاذاً باللہ

رہ و رسمِ آشنائی

زمیں نئی تھی، فلک ناشناس تھا جب ہم
تری گلی سے نکل کر سُوئے زمانہ چلے
نظر جھکا کے باندازِ مجرمانہ چلے

چلے بجَیبِ دریدہ، بدامنِ صدچاک
کہ جیسے جنسِ دل و جاں گنوا کے آتے ہیں
تمام نقدِ سیادت لُٹا کے آتے ہیں

جہاں اِک عُمر کٹی تھی، اُسی قلمرو میں
شناخت کے لئے ہر شاہراہ نے ٹوکا
ہر اِک نگاہ کے نیزے نے راستہ روکا

جہاں جلے تھے ترے حُسنِ آتشیں کے کنول
وہاں الاؤ تو کیا، راکھ کا نشاں بھی نہ تھا
چراغِ کُشتۂ محفل دُھواں دُھواں بھی نہ تھا

مُسافرت نے پُکارا نئے اُفق کی طرف
اگر وفا کی شریعت کا یہ صِلہ ہوگا
نئے اُفق سے تعارُف کے بعد کیا ہوگا

○

بُجھ گئی شمعِ حرم، بابِ کلیسا نہ کھُلا
کھُل گئے زخم کے لب تیرا دریچہ نہ کھُلا

درِ توبہ سے بگولوں کی طرح گُذرے لوگ
اَبر کی طرح اُمڈ آئے جو مے خانہ کھُلا

شہر در شہر پھری میرے گُناہوں کی بیاض
بعض نظروں پہ مِرا سوزِ حکیمانہ کھُلا

نازنینوں میں رسائی کا یہ عالم تھا کبھی
لاکھ پہروں میں بھی کاشانے پہ کاشانہ کھُلا

اَب جو بے باک ہُوئے بھی تو بہ صد اندیشہ
اب جو اِک شخص کھُلا بھی تو حجابانہ کھُلا

مِل کے بھی تجھ سے رہی اب کے طبیعت ایسے
جَیسے بادل سا گھِر آیا جو نہ برسا نہ کھُلا

ہم پری زادوں میں کھیلے، شب افسوں میں پلے
ہم سے بھی تیرے طلسمات کا عُقدا نہ کھُلا

ایک اِک شکل کو دیکھا ہے بڑی حیرت سے
اجنبی کون ہے اور کون شناسا نہ کھُلا

ریت پر پھینک گئی عقل کی گستاخ بلی
پھر کبھی کشف و کرامات کا دریا نہ کھُلا

اَے دَورِ کورپرور

اَب وُہ خوشی نہ وُہ غم، خنداں ہیں اَب نہ گریاں
کِس کِس کو رو چکے ہیں اَے حادثاتِ دوراں

ترتیبِ زِندگی نے دُنیا اُجاڑ دی ہے
اَے چشمِ لا اُبالی اَے گیسوئے پریشاں

دِن رات کا تسلسل بے ربط ہو چکا ہے
اب ہم ہیں اَور خموشی یا وحشتِ غزالاں

یا دِن کو خاکِ صحرا یا شب کو دشت و دریا
یا شغلِ جام و صہبا اَے جانِ مے فروشاں

ٹُوٹا ہُوا ہے بَربط سُونی پڑی ہے محفل
اَے رنگ و لحن و نغمہ اَے صدرِ بزمِ رِنداں

پھُولوں سے کھیلتا تھا، جن میں کبھی لڑکپن
کانٹے چبھو رہی ہیں، سینے میں اَب وُہ گلیاں

جیسے کسی کی آہٹ، راتوں کو مقبروں میں
ہر بات ورد آگیں، ہر راگ دہشت افشاں

یادوں کی چلمنوں سے ملبے پکارتے ہیں
آسیب بن کے چھت پر اُترا ہے ماہِ تاباں

سفاک سانحوں کی روندی ہوئی قبائیں
خوں خوار حادثوں کے پھاڑے ہوئے گریباں

جیسے کوئی کہانی رُوحوں کی انجمن میں
ہر بات بے حقیقت، ہر شے طلسم افشاں

ٹیلوں کے دامنوں میں صحرائیوں کی قبریں
قبروں کے حاشیوں پر سہما ہُوا چراغاں

کن ساعتوں سے کھیلیں کن صُورتوں کو دیکھیں
جُوئے بہارِ ساکن شہرِ نگار ویراں

کتنی بصیرتوں کی آنکھیں اُجڑ چکی ہیں
اَے دورِ کور پرور! اَے عصرِ کم نگاہاں!

ایک شام

یُوں تو لمحوں کے اِس تسلسل میں
اب سے پہلے بھی عُمر کٹتی تھی
موم بتّی کی روشنی میں نظر
حافظے کے ورق اُلٹتی تھی
ریت کے سوگوار ٹیلوں پر
چاندنی رات بھر بھٹکتی تھی

آج لیکن تھکے ہُوئے دل پر
جسم کا تار تار بھاری ہے
شام کی دم بخود ہواؤں پر
صُبح کا اِنتظار بھاری ہے

مقبروں سے اُٹھی ہُوئی آندھی
ٹہنیوں سے اُلجھ کے چلتی ہے
خشک پلکوں پہ آنسوؤں کی اُمید
پے بہ پے کروٹیں بدلتی ہے
ایک اک عکس سانس لیتا ہے
ایک اک یاد آنکھ مَلتی ہے
جیسے صحرا میں سر جُھکائے ہُوئے
حاجیوں کی قطار چلتی ہے

زرد چنگاریوں کے دامن میں
یُوں سُلگتا ہے سرد آتش دان
جیسے بچّوں کی بھُوک کے آگے
ایک نادار باپ کا ایمان

دم بخود خامشی میں دھیرے سے
زرد پتّے قدم اُٹھاتے ہیں
یاد کے کارواں اندھیرے میں
خواب کی طرح سرسراتے ہیں
کھڑکیوں کے ڈرے ہُوئے چہرے
اپنی آہٹ سے کانپ جاتے ہیں

دِل کی قُربان گاہ کے آگے
ایک ٹُوٹا ہُوا دِیا بھی نہیں
کِسی پیپل کے نرم سائے میں
کوئی پتھر کا دیوتا بھی نہیں
رُوح کے کاسۂ گدائی کو
چار ٹکڑوں کا آسرا بھی نہیں

لمبی چوڑی سڑک کے دامن پر
قمقمے سہمے سہمے جلتے ہیں
جیسے اکثر بڑے گھرانوں میں
فاقہ کش رِشتہ دار پلتے ہیں

سوچتا ہُوں کہ اِس دیار سے دُور
ایک ایسا بھی دیس ہے جس کی
رات تاروں میں سج کے آئے گی
صُبح ہوگی تو گھر کے گوشوں میں
تیری معصُوم مُسکراہٹ کی
نرم سی دُھوپ پھیل جائے گی

تری ہنسی

فلک کا ایک تقاضا تھا اِبنِ آدم سے
سُلگ سُلگ کے رہے اَور پلک جھپک نہ سکے
ترس رہا ہو فضا کا مہیب سنّاٹا
سڈول پاؤں کی پائل مگر چھنک نہ سکے
کلی کے اِذنِ تبسّم کے ساتھ شرط یہ ہے
کہ دیر تک کِسی آغوش میں مہک نہ سکے

میں سوچتا ہُوں کہ یہ تیری بے حجاب ہنسی
مِزاجِ زیست سے اِس درجہ مُختلف کیوں ہے
یہ ایک شمع جسے صُبح کا یقین نہیں
جگر کے زخمِ فروزاں سے منحرف کیوں ہے

بھرا ہوا ہے نگاہوں میں زندگی کے دُھواں
بس ایک شعلۂ شب تاب میں شرر کیوں ہے

مرے وجود میں جس سے کئی خراشیں ہیں
وہ اِک شکن ترے ماتھے پہ مختصر کیوں ہے
جمی ہوئی ہے ستاروں پہ آنسوؤں کی نمی
ترے چراغ کی لَو اتنی تیز تر کیوں ہے

نئے شوالے میں جاکر کسی کے تیشے نے
بہت سے بُت تو گرائے بہت سے بُت نہ گرے

بس ایک خندۂ بے باک ہی سے کیا ہوگا
لہُو کی زحمتِ اقدام بھی ضروری ہے
ذرا سی جرأتِ ادراک ہی سے کیا ہوگا

گریز و رجعت و تخریب ہی سہی لیکن
کوئی تڑپ، کوئی حسرت، کوئی مُراد تو ہے
تری ہنسی سے تو میری شکست ہی بہتر
مری شکست میں تھوڑا سا اِعتماد تو ہے

○

اِس قدر اَب غمِ دَوراں کی فراوانی ہے
تُو بھی منجملۂ اسبابِ پریشانی ہے

مُجھ کو اِس شہر سے کُچھ دُور ٹھہر جانے دو
میرے ہمراہ مِری بے سروسامانی ہے

آنکھ جُھک جاتی ہے جب بندِ قبا کُھلتے ہیں
تجھ میں اُٹھتے ہُوئے خورشید کی عُریانی ہے

اِک بَرا لمحۂ اقرار نہیں مر سکتا
اَور ہر لمحہ زمانے کی طرح فانی ہے

کُوچۂ دوست سے آگے ہے بہت دشتِ جنُوں
عشق والوں نے ابھی خاک کہاں چھانی ہے

اِس طرح ہوش گنوانا بھی کوئی بات نہیں
اَور یُوں ہوش سے رہنے میں بھی نادانی ہے

طیّارہ

فضائے بے کراں کی وسعتوں سے بولتا ہُوا
قوی، جوان بازوؤں کے پنکھ تولتا ہُوا
عظیم ماورا کے بستروں پہ رولتا ہُوا

اُٹھا۔ تو بادلوں کے قافلے قدم پہ جھک گئے
بڑھا۔ تو قوس و کہکشاں کے پیچ و خم سُبک گئے
گرج کے جَست کی تو آندھیوں کے ہات رُک گئے

وُہ اَور ہیں جو اجنبی دیار کی ہوس میں تھے
کہ ہم اسی زمیں کی زُلفِ نارسا کے بس میں تھے
نہیں تو، مہر و ماہ و مُشتری بھی دسترس میں تھے

ایئرہوسٹس

شہر کی روشنیاں کرنکِ آوارہ ہیں
نہ وُہ ہوٹل کے دریچے نہ وُہ بجلی کے ستون
نہ وُہ اطراف نہ رفتار کا گمنام سکون
ہر گھڑی عشوۂ پرواز بنی جاتی ہے

سیکڑوں فیٹ تلے رینگ رہی ہوگی زمین
کہیں پٹرول کے مرکز، کہیں سڑکوں کا غبار
تار کے آہنی کھمبوں میں گھری راہ گزار
صرف اِک دُور کی آواز بنی جاتی ہے

تیرے لہجے میں ہے ترغیب کی یہ کیفیت
کہ مشینوں کی فضا ساز بنی جاتی ہے

اَے مِرے دِل کے دھڑکنے سے بظاہر غافِل
تیری صُورت تِری غمّاز بنی جاتی ہے

ہم سفر انجمُنیں گرم کِئے بیٹھے ہیں
تُو مرا سب سے بڑا راز بنی جاتی ہے

جب ہُوا شب کو بدلتی ہُوئی پہلو آئی
مُدتوں اپنے بدن سے تری خُوشبو آئی

میرے نغمات کی تقدیر نہ پہنچے تجھ تک
میری فریاد کی قسمت کہ تجھے چھُو آئی

اپنی آنکھوں سے لگاتی ہیں زمانے کے قدم
شہر کی راہ گزاروں میں مری خُو آئی

ہاں نمازوں کا اثر دیکھ لیا پچھلی رات
مَیں اِدھر گھر سے گیا تھا کہ اُدھر تُو آئی

مُژدہ اَے دِل کسی پہلُو تو قرار آ ہی گیا
منزلِ دار کٹی، ساعتِ گیسُو آئی

○

ہم کافروں کی مشقِ سُخن ہائے گُفتنی
اُس مرحلے پہ آئی کہ اِلہام ہوگئی

دُنیا کی بے اُصول عداوت تو دیکھئے
ہم بُوالہوس بنے تو وفا عام ہوگئی

کل رات، اُس کے اور مرے ہونٹوں میں تیرا عکس
ایسے پڑا کہ رات ترے نام ہوگئی

Last night
Betwixt her lips and mine
Thy shadow fell
The night was thine

○

بزم میں باعثِ تاخیر ہُوا کرتے تھے
ہم کبھی تیرے عناں گیر ہُوا کرتے تھے

اَے کہ اَب بھُول گیا رنگِ حنا بھی تیرا
خط کبھی خُون سے تحریر ہُوا کرتے تھے

سایۂ زُلف میں ہر رات کو سو تاج محل
میرے انفاس میں تعمیر ہُوا کرتے تھے

ہجر کا لُطف بھی باقی نہیں اَے موسمِ عقل
اِن دِنوں نالۂ شبگیر ہُوا کرتے تھے

ان دِنوں دشت نوردی میں مزا آتا تھا
پاؤں میں حلقۂ زنجیر ہُوا کرتے تھے

خواب میں تجھ سے مُلاقات رہا کرتی تھی
خواب شرمندۂ تعبیر ہُوَا کرتے تھے

وُہ کہ اِحسان ہی اِحسان نظر آتا تھا
ہم کہ تقصیر ہی تقصیر ہُوَا کرتے تھے

○

نہاں ہے سب سے مِرا دردِ سینۂ بیتاب
سوائے دیدۂ بے خواب انجُم و مہتاب

تمھیں تو خیر مِرے غم کدے سے جانا تھا
کہاں گئیں مِری نیندیں کدھر گئے مِرے خواب

سفینہ ڈُوب گیا لیکن اِس وقار کے ساتھ
کہ سر اُٹھا نہ سکا پھر کہیں کوئی گرداب

عجیب بارشِ نیساں ہوئی ہے اَب کی برس
صدف صدف شبِ وعدہ ہے اور گُہر کم یاب

حدُودِ مے کدہ و مدرسہ گرا نہ سکے
یہ مُحرمانِ کلیسا یہ عارفانِ کتاب

وہاں بھی بزمِ خرد میں ہزار پابندی
یہاں بھی محفلِ رِنداں میں سیکڑوں آداب

مَیں تشنہ کامِ غمِ آگہی کہاں جاؤں
اِدھر شعوُر کا صحرا اُدھر نظر کا سراب

تُو اپنے جلوۂ عُریاں سے شرمسار نہ ہو
یہی تمامِ نظارہ یہی کمالِ حجاب

بے سمتی

گیئر بدلتے ہُوتے ، مُنہ سے پھینک کر سگرٹ
ڈرائیور نے ٹریفک کو ماں کی گالی دی
کہا ، حضُور کہاں کیڈلک ، کہاں بیبجُو

کہاں حکایتِ شیریں دہان و شہد لباں
کہ ایک سیر شکر کا نہ مِل سکا پرمٹ
کہ دفتروں کو چلاتے ہیں تلخ گو بابُو

گمُاں بن گئی تہذیبِ رُستم و سُہراب
حکُومتوں نے بہ حقِ خزانہ ضبط کیے
رمُوزِ کیسۂ ماژندران و کیخسرو

تمام دستخطی فائلوں میں ڈوب گئیں
پری رُخانِ عجم کی جُھکی جُھکی پلکیں!
طلسمِ ہوش رُبا کا گھنا گھنا جادُو

کہاں مسائلِ رُوحانیت، کہاں عرفان
مکان، قلّتِ اسباب، کثرتِ اولاد
شکار، بینک، برج، ریس، غم، دوا، دارُو

یہ تھوڑی دُور پہ دُوکانیں فاحشاؤں کی
لبوں پہ آخرِ شب کی بُجھی ہُوئی بیڑی
بدن میں تلخیٔ شہوت سے تارکول کی بُو

شعُور و بے خبری کی حدیں نہیں ملتیں
اب اُن کو صُورِ سرافیل کیا جگائے گا
جگا چکا جنہیں پل میں لگا ہُوا بھونپو

ہر ایک شب مری محبوبہ مجھ سے ملتی ہے
لبوں پہ سحرکُناں میکس فیکٹر کی ہنسی
کُسَن کا حُسنِ نظر، ریولان کے ابرُو

عدالتوں میں ہُوا فیصلہ دل و جاں کا
نہ وُہ سُہاگ کی لَو آئینے کے چہرے پر
نہ وُہ دُلھن کی نگاہوں میں حیرتِ آہُو

جہاز اُڑ گئے بمباریوں کے عزم کے ساتھ
کہیں سے دل کی صدا آئی اس طرح جیسے
فِلِپ کے بلب کے آگے چراغ کے آنسُو

نظر جھکائے ہُوئے قافلے چلے آتے
ہزار صُبحِ بنارس نے راستہ روکا
ہزار شامِ اودھ کے بکھر گئے گیسُو

ہر ایک نیم پہ جھولے کی ڈوریاں لٹکیں
ہر ایک کھیت میں سرسوں کی بالیاں مہکیں
دِلوں کے زخم کو لیکن نہ بھر سکی خوشبو

ادب کی ایک جماعت کا فیصلہ یہ ہے
کہ رُکنیت کی بنا پر خزف بھی کہلائے
چراغِ لالہ و سیّارۂ فلک پہلو

کیسے بتاؤں کہ اَے میرے سوگوار وطن
کبھی کبھی تجھے تنہائیوں میں سوچا ہے
تو دِل کی آنکھ نے روتے ہیں خُون کے آنسو

یہ قطرے قطرے پہ اعلانِ قُلزم وجیحُوں
ذرا ذرا سی نمی پر اُمیدِ زرخیزی
یہ دشتِ بے سروساماں! یہ آفتاب! یہ لُو

مرے وطن، مرے مجبور، تن فگار وطن
میں چاہتا ہوں تجھے تیری راہ مِل جائے
میں نیویارک کا دُشمن نہ ماسکو کا عدُو

جلے جلائے کلیسا، لُٹے لُٹائے حرم
طلُوع ہو تو کِدھر سے نئی سحر کا گجر
سکُوت طوق بہ دست و صدا رسن بہ گلُو

شفا نصیب ہو کیسے مریضۂ افکار
بڑھے تو کیسے بڑھے قافلہ خیالوں کا
ضمیر و نطق پہ پہرے قلم پہ گستاپو

تمام مشرقِ وُسطیٰ کا ایک کلچر ہے
ہر اک درخت میں آبِ حیاتِ اِنگلستان
ہر ایک فصل میں واشنگٹن کا جوشِ نمُو

کہیں سے آئی صدا علم سب سے اعلیٰ ہے
کہیں سے آئی صدا عشق سب سے برتر ہے
کہیں سے آئی صدا لَآ اِلٰہَ اِلاَّ ھُوْ

رہِ نجات نہ آوارگی نہ سادہ روی
علاجِ تیرگیٔ میکدہ نہ عقل نہ عشق
نہ مُلحدوں کے پیالے نہ صُوفیوں کے کدو

دِل و نظر کی یہ واماندگی یہ بے سمتی
مُبصرو کوئی بھرپُور فلسفہ لاؤ
یہ چاک ، سوزنِ مذہب سے بھی ہُوا نہ رفُو

کاروبار

دماغ شَل ہے، دل ایک اک آرزو کا مدفن بنا ہُوا ہے
اِک ایسا مندر جو کب سے چمگادڑوں کا مسکن بنا ہُوا ہے
نشیب میں جیسے بارشوں کا کھڑا ہُوا بے کنار پانی
بغیر مقصد کی بحث، اخلاقیات کی بے اثر کہانی
سحر سے بے زار، رات سے بے نیاز لمحات سے گریزاں
نہ فکرِ فردا، نہ حال و ماضی، نہ صُبحِ خنداں نہ شامِ گریاں

پُکارتا ہے کوئی تو کہتا ہُوں اس کو سُن کر بھی کیا کرو گے
اِدھر گذر کر بھی کیا ملے گا، اُدھر نہ جا کر بھی کیا کرو گے
شفق نظر کا فریب ہے تتلیوں کی رنگت میں کچھ نہیں ہے
فراق میں کیا طلسم ہو گا جب اُس کی قُربت میں کچھ نہیں ہے
لہُو کی گرمی ہے کم سِنی کی دلیل، اس سے نجات پاؤ
یہ نظم تکمیل پا کے بھی کیا کرے گی ـــ دفتر کے کیس لاؤ

○

ساری محفل لُطفِ بیاں پر جھُوم رہی ہے
دِل میں ہے جو شہرِ خموشاں کس سے کہیئے

ساعتِ گُل کے دیکھنے والے آئے ہُوئے ہیں
شبنم تیرا گریۂ پنہاں کس سے کہیئے

شام سے زخموں کی دُوکان سجائی ہُوئی ہے
اپنا یہ اندازِ چراغاں کس سے کہیئے

اَوجِ فضا پر تیز ہَوا کا دم گھُٹتا ہے
وُسعتِ وُسعتِ تنگیٔ زنداں کس سے کہیئے

بازار

وُہی ذِمّہ دارانِ ناموسِ اُمّت، وُہی حامیانِ حَرَم بِک چُکے ہیں
جو لوح و قلم کی حفاظت کو نکلے تھے خود اُن کے لوح و قلم بِک چُکے ہیں

خطیبانِ بزمِ صفا لُٹ گئے ہیں، حریفانِ بیتُ الصّنم بِک چُکے ہیں
کچھ آدرش خندہ بہ لب مر گئے ہیں، کچھ افکار با چشمِ نم بِک چُکے ہیں

اُصولوں کی مظلومیت کون دیکھے، کسے اِس کی جُرأت کہ اِس کربلا میں
اماموں کا خُوں دربہ در بہہ چُکا ہے، رسُولوں کے نقشِ قدم بِک چُکے ہیں

بڑے فخر سے بیچ منڈی میں نیلام کر دی گئی عصمتِ حرف و حکمت
بڑے ناز سے چوک میں دست و ذہنِ امیرانِ سیف و قلم بِک چُکے ہیں

نجیبانِ خود دار حق کوش نکلے ہیں سطوت کی چوکھٹ پہ سجدے کی خاطر
اُدیبانِ والا تبار و رئیسانِ شہرِ سبا و صنم بِک چُکے ہیں

ہر اِک نغمہ فریاد میں ڈھل گیا ہے، ہر آواز دار و رسن بن چُکی ہے
یہاں زندگی مکر و فن بن چُکی ہے، خلُوص و رواج و حشم بِک چُکے ہیں

یہاں ایک آنسو کی پروا ہے کِس کو، یہاں مرگِ انبوہ کا جشن ہو گا
یہاں ایک رستے کے مِٹنے کا کیا غم، ہر اِک راہ کے پیچ و خم بِک چُکے ہیں

مری ایک مسجد ہے اَب تک فروزاں سو کب تک کہ بُجھنے کو ہے شمعِ ایماں
مرا ایک جامِ سفالیں بچا ہے سو کیا ہے کہ سب جامِ جم بِک چُکے ہیں

رِشتۂ جام و سبُو

جانے کب ابر سے نِکلے مِرا کھویا ہُوا چاند
جانے کب مجلسِ اربابِ وفا روشن ہو
راستے نُورطلَب، شامِ سفر عکس ہی عکس
ڈُوبتے، کانپتے سہمے ہُوئے، بُجھتے ہُوئے دل
درد کا بوجھ اُٹھائے ہُوئے گھبرائے ہُوئے
صُبح کے کفش زدہ، رات کے ٹھکرائے ہُوئے

جانے کب حلقۂ گرداب سے اُبھرے ساحل
سر پٹکتی ہوئی موجوں کا تلاطم کم ہو
جانے کب گونجتی لہروں کی صدا مدّھم ہو
کف اُگلتا ہُوا طوفان. پُر اسرار ہوا
غیرمحفوظ خلاؤں میں زمیں کا بن باس
نہ فضا لُطف پہ مائل نہ فلک درد شناس

○ دلّی میں 'نہ جانے' کو درست سمجھا جاتا ہے لکھنؤ اور الٰہ آباد میں 'جانے' کا
یہی مفہوم ہے۔
○ یہ نظم ہندوستان اور پاکستان کی مختصر جنگ کے دوران کہی گئی

کر دیئے ترک قبیلوں نے جنُوں کے رِشتے
زخم کِس طرح بھریں، چاکِ جِگر کیسے سِلیں
سرحدیں آگ کا میدان بنی بیٹھی ہیں
اَے غزالانِ چمن اَب کے مِلیں یا نہ مِلیں

مِل کے بیٹھیں بھی تو جانے کوئی کیا بات کہے
رِشتۂ جام و سبُو یاد رہے یا نہ رہے

ایک گمنام سپاہی کی قبر پر

تیری محراب پہ اَے عصرِ کہن کی تاریخ
صرف گوتم کے حسیں بُت کا تبسّم کیوں ہے
کس لئے کیل سے لٹکی ہے فقط ایک صلیب
ایک زنجیر کے حلقے کا ترنّم کیوں ہے
اِک ارسطو سے ہے کیوں گوشۂ دانش پُر نور
ایک سُقراط کے سِینے کا تلاطم کیوں ہے

اِسی محراب کے سائے میں کئی اِبنِ علی
کئی خونخوار یزیدوں سے رہے گرم ستیز
تیرے مسلک میں ہُوئی نام و نسب کی توقیر
تیرا ہیرو کوئی خسرو ہے تو کوئی پرویز
تُو نے اقوام کے انبوہ میں وُہ لوگ چُنے
جن میں سے کوئی جہانگیر ہے کوئی چنگیز

تجھ سے ممکن ہو تو اَے ناقدِ اَیامِ کہن!
اپنے گمنام خزانوں کو اُٹھا کر رکھ لے
رات بے نام شہیدوں کے لئے روتی ہے
ان شہیدوں کا لہُو دِل سے لگا کر رکھ لے
ماؤں کے میلے دوپٹوں میں ہیں جو آنسُو جذب
اُن کو آنکھوں کے چراغوں میں سجا کر رکھ لے

ہو گئے راکھ جو پَر جُن اُنہیں خاکستر سے
سُرخیٔ جُراَتِ پروانہ بنے یا نہ بنے
عام شکلوں میں بھی ہے عارضِ سلمٰی کا جمال
ان کو بھی دیکھ، صنم خانہ بنے یا نہ بنے
زِیست کے جوہرِ نایاب کی تشہیر تو کر
اُس کی تشہیر سے افسانہ بنے یا نہ بنے

ایک نوحہ

[۴ اکتوبر ۱۹۶۴ء کو لسبن اور سینٹا مرایا کے درمیان ہوائی حادثے میں جاں بحق
ہونے والے مرحوم دوست شیخ جاوید احمد کی موت پر]

ایک تاریک ستارہ ہے اُفق پر غلطاں
اک الم ناک خموشی ہے پسِ پردۂ ساز

یہ اندھیرے میں کسے شوقِ پذیرائی ہے
یہ خلاؤں میں کسے ڈھونڈ رہی ہے آواز

مرہمِ لُطف و وفا تجھ کو کہاں آتے زخم
ہم سفر تجھ کو کہاں لے گئی تیری پرواز

زندگی نغمہ و آہنگ تھی تیرے دم سے
موت نے چھین لیا کیسے ترے ہات سے ساز

کِن چٹانوں سے کروں سنگ دِلی کا شِکوہ
اَے فضاؤں کے سُخن فہم، صبا کے ھمراز

آگ کِس طرح ترے جِسم کے نزدیک آئی
کیسے پٹرول کے شعلوں سے دبا شعلۂ ساز

کون سے دشت میں لی آخری ہچکی تُو نے
کِس دھماکے سے نگوں ہو گئی تیری آواز

کیوں دُعائیں نہ بنیں تیری نگہباں اُس وقت
کیوں نہ کام آئی مِرے چاکِ گریباں کی نماز

میرے محبُوب گلے مِل کے لپٹ کر مِل جا
میرے بھائی ترے مِلنے کے ہزاروں انداز

آوازکے سائے

خبر نہیں تم کہاں ہو یارو

ہماری اُفتادِ روز و شب کی
تمھیں خبر مل سکی، کہ تم بھی
رہینِ دستِ خزاں ہو یارو
دِنوں میں تفریق مِٹ چکی ہے
کہ وقت سے خوش گماں ہو یارو
ابھی لڑکپن کے حوصلے ہیں
کہ بے سر و سائباں ہو یارو

ہماری اُفتادِ روز و شب میں
نہ جانے کتنی ہی بار اب تک
دھنک بنی اور بکھر چکی ہے
عروسِ شب اپنی خلوتوں سے
سحر کو محروم کر چکی ہے

دہکتے صحرا میں دُھوپ کھا کر
شفق کی رنگت اُتر چکی ہے
بہار کا تعزیہ اُٹھائے
نگارِ یک شب گزر چکی ہے

اُمیدِ نوروز ہے کہ تم بھی
بہار کے نوحہ خواں ہو یارو

تمھاری یادوں کے قافلے کا
تھکا ہوا اجنبی مسافر
ہر اِک کو آواز دے رہا ہے
خفا ہو یا بے زباں ہو یارو

یہ آدمی کی گزرگاہ

زِندگی آج تُو کِس طرف آ گئی

صُبح کی سِیپیا روشنی چھوڑ کر
مدھ بھری شام کی کم سِنی چھوڑ کر
اوس پیتی ہُوئی چاندنی چھوڑ کر
اُس کے مُکھڑے کی مِیٹھی نمی چھوڑ کر

زِندگی آج تُو کِس طرف آ گئی

اِس نئے دیس کے اجنبی راستے
کِتنے تاریک، کِتنے پُر اسرار ہیں
آج تو جیسے وحشی قبیلے یہاں
اِک نئے آدمی کے لہُو کے لِیے
جسم پر راکھ مَل کر نِکل آتے ہیں

آنکھ میں چبھ رہا ہے کسَیلا دُھواں
جسم کو چھُو رہی ہیں خُنک سُوئیاں
ہر قدم پر ڈھچر، ہر طرف ہڈّیاں

وقت کی خوف سے سانس رُکتی ہوئی
رات کے بوجھ سے ہانپتی خامشی
ہر طرف تیرگی تیرگی تیرگی

پیڑ کے رُوپ میں کوئی دُشمن نہ ہو
پاس کے موڑ پر کوئی رہزن نہ ہو
یہ کھنڈر کوئی رُوحوں کا مسکن نہ ہو

اِس بھٹکتی صدا میں کوئی راز ہے
یہ پُرانا دِیا کِس کا غمّاز ہے؟
کِس کی آہٹ ہے یہ کِس کی آواز ہے؟

کس لیے آج سامانِ شبخوں ہیں؟
کون سے راز سینوں میں مدفوں ہیں؟
کس کے لشکر اب آمادۂ خوں ہیں؟

ہر طرف دُھند ہے ہر طرف سہم ہے
کوئی صاحب نظر ہے کہ نافہم ہے؟
سانپ کی سرسراہٹ ہے یا وہم ہے؟

زِندگی آج تُو کس طرف آ گئی

مَیں تری راہ کس طرح روشن کروں
میری ویران آنکھوں میں آنسو نہیں
تیرے سازوں کی تحریک کے واسطے
میرے ہونٹوں پہ گیتوں کا جادُو نہیں
رات سُنسان ہے راہ ویران ہے
کوئی نغمہ نہیں۔ کوئی خُوشبُو نہیں

آج تک میں نے تیرے لیے رات دِن
موتیوں اَور چراغوں کے ہر تھال پر
کتنے گجرے عقیدت سے حاضر کیے
کنواریوں کے بدن کی جواں اوس سے
تیرے پھولوں کے چہروں کو ضو بخش دی
جب بجھی جا رہی تھی تری دل کشی
تیرا مُنہ چُوم کر تجھ کو نَو بخش دی

چُوڑیوں کی کھنک سے ترے واسطے
اَیسے معصوم نغمے مُرتّب کیے
جن کو سُن کر ستاروں کے اِک شہر میں
کرشن کے ہات سے بانسری چھُٹ گئی

تیری ہر رسیند کو، تیرے ہر خواب کو
مَیں نے پریوں کی زُلفوں کا بستر دیا
نو عرُوسوں کی شرماہٹیں سونپ دیں
لے کے گہنے، تبسّم کا زیور دیا
اپسراؤں کے سینوں کے بھونچال سے
حِدّتیں چھین کر تجھ کو پیکر دیا
تیرے بالوں پہ غزلوں سے اَفشاں چُنی
تیرے ماتھے کو نظموں کا جھومر دیا
اُنگلیوں کو اجنتا کی صنعت گری
انکھڑیوں کو بنارس کا منظر دیا

ایک تشبیہ سوچی کمر کے لیے
اِستعارے تراشے نظر کے لیے
جسم اَور خُون سے ماورا کہہ دیا
اَور اِک روز تجھ کو خُدا کہہ دیا

زندگی آج تو کس طرف آ گئی

مَیں چٹانوں سے فرہاد بن کر لڑا
تُو نے تیشے میں میرا لہو بھر دیا
والمیکؔ اَور بُدھ بن کے آواز دی
تُو نے صحراؤں میں مجھ کو گُم کر دیا
ٹرائے کی جنگ میں تیرا ہومر بنا
مجھ سے آنکھوں کی سب نعمتیں چھن گئیں
دشتِ اِحساس میں تیرا شاعر بنا
تیرے کانٹوں نے میری رگیں چھیل دیں[۱]
مَیں نے ڈھونڈا تجھے ذہنِ سقراط میں
اَور مجھے زہر کا جام پینا پڑا
مَیں نے جانا تجھے بے حد و بے مکاں
اور مجھے قید خانوں میں جینا پڑا

---

۱. I fall upon the thorns of life
I bleed

—Shelley

حادثوں نے بُجھا دی عقیدت کی لَو
تجربوں نے عقائد کو گُم کر دیا
پھر بھی مَیں تیرے دامن کو تھامے ہُوتے
زخم دھوتا رہا اَور گاتا رہا
اَور مہکے یہ زخموں کا بن یا نہیں
اَور کُچھ دِن رہے یہ لگن یا نہیں
اَے مری ہم سفر مُجھ کو آواز دے
مُسکرائے گی کوئی کِرن یا نہیں
جس کھنڈر پر گھنی مَوت کا راج ہے
اُس سے اُبھرے گی صُبحِ وطن یا نہیں
اِقتصادی خیالات کی جنگ میں
جیت جائے گا شاعر کا فن یا نہیں

گانے والیاں

اُس کے سازندوں کی آنکھوں میں نہ دُرگانہ نکھار
صرف یہ فکر کہ بے خواب رہیں گے کب تک
اپنے بے نام مقدّر کو سہیں گے کب تک

جاگتے ہونٹ، چمکتے ہوئے عارض کا نکھار
مسکراتے ہوئے یُوں اشک بہیں گے کب تک
یہ دمکتے ہُوئے رُخسار رہیں گے کب تک

گاؤ تکیے سے پلٹتے ہُوئے دو بچّوں نے
اپنی ماؤں کو، کبھی رقصِ جنوں کو دیکھا
سازِ ویراں کو، کبھی سوزِ دروں کو دیکھا

لوریاں دے کے سُلائیں گی یہ مائیں کہ نہیں
چُوم کر صبح اُٹھائیں گی یہ مائیں کہ نہیں
جاگ کر ہم کو سُلائیں گی یہ مائیں کہ نہیں

دِیوانوں پہ کیا گزُری

صِرف دو چار برس قبل یُونہیں بر سرِراہ
مِل گیا ہوتا اگر کوئی اِشارا ہم کو
کِسی خاموش تکلّم کا سہارا ہم کو
یہی دُزدیدہ تبسّم، یہی چہرے کی پُکار
یہی وعدہ، یہی اِیما، یہی مُبہم اِقرار

ہم اِسے عرش کی سرحد سے مِلانے چلتے
پھُول کھِلتے کبھی سنگیت بنانے چلتے
خانقاہوں کی طرف دِیپ جلانے چلتے

صرف دو چار برس قبل! مگر اب یہ ہے
کہ تری نرم نگاہی کا اشارا پا کر
کبھی بستر کبھی کمرے کا خیال آتا ہے

زندگی جسم کی خواہش کے سوا کچھ بھی نہیں
خون میں خون کی گردش کے سوا کچھ بھی نہیں

گُناہ گار

اَے سوگوار یاد بھی ہے تجھ کو یا نہیں
وُہ رات، جب حیات کی زُلفیں دراز تھیں
جب روشنی کے نرم کنول تھے بُجھے بُجھے
جب ساعتِ ابَد کی نویں نیم باز تھیں
جب ساری زندگی کی عبادت گُذاریاں
تیری گُناہ گار نظر کا جواز تھیں

اِک ڈُوبتے ہُوئے نے کسی کو بچا لیا
اِک تیرہ زندگی نے کسی کو نگاہ دی
ہر لمحہ اپنی آگ میں جلنے کے باوجُود
ہر لمحہ زہرِ مِحبّت کو راہ دی
ہم نے تو تجھ سے دُور کی ہمدردیاں دکھائیں
تُو نے کسی سے رسمِ وفا بھی نباہ دی

فرار

اِس سے پہلے کہ خرابات کا دروازہ گرے

رقص تھم جائے، اداؤں کے خزانے لُٹ جائیں
وقت کا درد، نگاہوں کی تھکن، ذہن کا بوجھ
نغمہ و ساغر و اِلہام کا رُتبہ پا لے
کونپلیں دُھوپ سے اِک قطرۂ شبنم مانگیں
سنگساری کا سزاوار ہو بلّور کا جسم
دِل کے اُجڑے ہُوئے مندر میں وفا کی مشعل
مصلحت کیشی طوفان کی زد میں آجائے
آہُوئے دشتِ جنوں شہر کی حد میں آجائے

سب کے قدموں میں تمنّا پئے خمیازہ گرے

عاقلو، دیدہ ورو، دُوسری راہیں ڈھونڈو
اِس سے پہلے کہ خرابات کا دروازہ گرے

مُدّتوں کور نگاہی دِل کی
نُورِ عرفاں کو ترستی رہتی
تو جو خُورشید نہ بن کر آتی
ذہن پر اوس برستی رہتی

کیا خبر آج تیری پلکوں میں
بَرہمی ہے کہ غم کا سوز و گُداز
میرے سینے سے اَب بھی آتی ہے
تیری پلکوں کی رحم دِل آواز

اللہ اللہ یہ لرزِشِ مِژگاں
جُھٹپٹے کا ہے ظُرفہ رازو نیاز
راگنی میں ڈھلا ہُوا گویا
رات کو گھُومتے کُرے کا گُداز

مجھ کو چُپ چاپ اِس طرح مت دیکھ
میرے بِستر کی سِلوٹیں مت کھول
رات میں کِتنی دیر سویا ہُوں
بول اَے صُبح کے سِتارے بول

اُس کو کرنوں نے دی ہے تابانی
اُس کو مہتاب نے سنوارا ہے
یُوں وُہ عورت ضرُور ہے لیکن
اُس کی بُنیاد اِستعارا ہے

یُوں تو اکثر خیال آتا تھا
میں جو ہُوں اُس سے ماسوابن جاؤں
تیری آنکھوں کو دیکھنے کے بعد
مَیں نے چاہا کہ مَیں خُدا بن جاؤں

سُن کے لوگوں کے زہر سے فِقرے
دیکھ کر اپنے گھر کی بربادی
مَیں بھی جب مُسکرا ہی لیتا ہُوں
تم تو کِتنا بدل گئی ہوگی!

()

صرف کہہ دُوں کہ ناؤ ڈُوب گئی
یا بتاؤں کہ کیسے ڈُوبی تھی
تم کہانی تو خیر سُن لوگی
آپ بیتی کہوں کہ جگ بیتی

کوئی ساغر کی سمت گرمِ فرار
کوئی جسموں میں ڈھونڈتا ہے سکوں
مجھ کو بھی مِل گئی ہے جائے پناہ
شعر لکھتا ہُوں اور جیتا ہُوں

وقت کے ساتھ لوگ کہتے تھے
زخمِ دل بھی تمھارے ہوں گے دُور
رفتہ رفتہ یہ وقت آ پہنچا
میرا ہر زخم بن گیا ناسُور

محبّت

تُو مری شمعِ دل و دیدہ، مری معصُومہ
پیار کی دُھوپ میں نکلی تو پگھل جائے گی
کھولتا، گونجتا لاوا ہے مِرے جسم کا لمس
تُو مِرے ہونٹوں کو چھُولے گی تو جل جائے گی

تِتلیاں چُن ابھی خاروں کی طلبگار نہ بن
لوریاں سیکھ مِرے درد میں غمخوار نہ بن
بزمِ آہنگ میں آ، نالۂ خُونبار نہ بن

میرا دِل وقت کے طُوفاں میں ہے ایسی چٹان
کہ سفینہ اِدھر آیا تو بکھر جائے گا
ابدی نیند کا پیغام ہے میرا آغوش
جو مِری گود میں آئے گا وُہ مر جائے گا

خزانہ

رات کے خواب جلے دِن کی تمازت سے مگر
تو مِرے واسطے فردوسِ گماں آج بھی ہے

وُہی ہر سمت ترے نام کی دیواریں ہیں
وُہی آفاق کی محدود عناں آج بھی ہے

وُہی تابندہ و رخشاں ہے ترے رُوپ کی لَو
وُہی حالات کا سیلابِ رواں آج بھی ہے

سیکڑوں جسموں سے کھیلی ہے جوانی میری
دِل میں تقدیس و طہارت کا سماں آج بھی ہے

دُوسرے بُت کدے روشن بھی ہُوئے، بُجھ بھی گئے
تیری مسجد میں وُہی سوزِ اذاں آج بھی ہے

اُن گناہوں میں جَلا ہُوں کہ مِرے سینے میں
خوشبُوئے عصمتِ مریم بَدَناں آج بھی ہے

غم تو مے خانے کی تاریک گلی تک لایا
ذہن میں سلسلۂ کاہکشاں آج بھی ہے

کوہساروں کی طرح ساکت و بے جان ہے وقت
آبشاروں کی طرح طبع رواں آج بھی ہے

تنگیٔ دائرۂ اہلِ خرد کے باوصف
وسعت حلقۂ آشفتہ سراں آج بھی ہے

ساری سڑکوں پہ اجارہ ہے ممنزمندوں کا
موڑ پر عشق کی چھوٹی سی دکاں آج بھی ہے

آندھیاں تیز ہیں اور طاقِ الف لیلیٰ میں
اِک چراغِ تہِ داماں کا دُھواں آج بھی ہے

اب کہاں قافلۂ کاکل و رُخسار مگر
دیدۂ شوق بہر سو نگراں آج بھی ہے

٭ صحیح الف ہے: اُردو میں عام طور پر الِف پڑھتے ہیں

اُنگلیاں ٹوٹ رہی ہیں تجھے چھُونے کے لئے
بے حنا ہاتوں کا لُطفِ گُذراں آج بھی ہے

گُشتۂ تشنہ لبی ہُوں، مگر اِن ہونٹوں میں
بُوئے شادابِ مسیحا نفساں آج بھی ہے

اَب نہ تپتی ہُوئی باتیں نہ سُلگتے ہُوتے خط
گرم آتش کدۂ حرف و بیاں آج بھی ہے

ایک اِک زخم پہ محفوظ ہیں تیروں کے نگار
مُسکراتی ہُوئی ابرُو کی کماں آج بھی ہے

بازوؤں میں تری آہُو بدنی باقی ہے
کروٹوں میں تری وحشت کا نشاں آج بھی ہے

آج کل کون وفادار ہُوا کرتا ہے
خود پہ نازاں ہوں کہ یہ جنس گراں آج بھی ہے

ہار جیت

میری بن جانے پہ آمادہ ہے وُہ جانِ حیات
جو کسی اَور سے پیمانِ وفا رکھتی ہے
میرے آغوش میں آنے کے لئے راضی ہے
جو کسی اَور کو سینے میں چھپا رکھتی ہے

شاعری ہی نہیں کچھ باعثِ عزّت مجھ کو
اَور بہت کچھ حسد و رشک کے اسباب میں ہے
مجھ کو حاصل ہے وُہ معیارِ شب و روز کہ جو
اُس کے محبوب کے ہاتوں میں نہیں خواب میں ہے

کون جیتے گا یہ بازی مجھے معلوم نہیں
زندگی میں مجھے کیا اَور اُسے کیا مل جائے
کاش وُہ زینتِ آغوش کسی کی بن جائے
اَور مجھے گرمیٔ پیمانِ وفا مل جائے

فسادِ ذات

دریدہ پیرہنی کل بھی تھی اُور آج بھی ہے
مگر وُہ اَور سبب تھا ــــ یہ اَور قصّہ ہے
یہ رات اَور ہے، وُہ رات اَور تھی، جس میں
ہر ایک اشک میں سارنگیاں سی بجتی تھیں
عجیب لذّتِ نظارہ تھی حجاب کے ساتھ
ہر ایک زخم مہکتا تھا ماہتاب کے ساتھ
یہی حیاتِ گُریزاں بڑی سُہانی تھی
نہ تم سے رنج نہ اپنے سے بدگمانی تھی

شکایت آج بھی تم سے نہیں کہ محرُومی
تمھارے در سے نہ ملتی تو گھر سے مِل جاتی

تمھارا عہد اگر اُستوار ہی ہوتا
تو پھر بھی دامنِ دل تار تار ہی ہوتا
خُود اپنی ذات ہی ناخُن خُود اپنی ذات ہی زخم
خُود اپنا دِل رگِ جاں اَور خُود اپنا دِل نِشتر
فسادِ خلق بھی خُود اَور فسادِ ذات بھی خُود
سفر کا وقت بھی خُود جنگلوں کی رات بھی خُود

تمھاری سنگ دِلی سے خفا نہیں ہوتے
کہ ہم سے اپنے ہی وعدے وفا نہیں ہوتے

اِسی گھر میں

بیٹھا ہُوں سِیہ بخت و نگُدر اِسی گھر میں
اُترا تھا مِرا ماہِ مُنوّر اِسی گھر میں

آے سانس کی خُوشبو لب و عارِض کے پسینے
کھولا تھا مِرے دوست نے بِستر اِسی گھر میں

چٹکی تھیں اِسی صحن میں اُس ہونٹ کی کلیاں
مہکے تھے وُہ اَوقاتِ میسّر اِسی گھر میں

افسانہ در افسانہ تھا مُڑتا ہُوا زینہ
آئینہ در آئینہ تھا ہر در اِسی گھر میں

ہوتی تھی حریفانہ بھی ہر بات پہ اِک بات
رہتی تھی رقیبانہ بھی اکثر اِسی گھر میں

شرمندہ ہُوا تھا یہیں پندارِ امارت
جھکا تھا فقیروں کا مُقدّر اِسی گھر میں

سوئی تھی یہیں تھک کے بلائے شبِ ہجراں
جاگی تھی کوئی زُلفِ مُعنبر اِسی گھر میں

اِک زَمزَمہ رفتار کے قدموں کی بدولت
چھلکا تھا کبھی چشمۂ کوثر اِسی گھر میں

وُہ جس کے درِ ناز پہ جُھکتا ہے دو عالم
آئی تھی بڑی دُور سے چل کر اِسی گھر میں

وُہ اُجنبی

وُہ مِہر و ماہ و مُشتری کا ہم عنان کہاں گیا
وُہ اجنبی کہ تھا مکان و لامکاں کہاں گیا
ترس رہا ہے دِل کسی کی داوَری کے واسطے
پیمبرانِ نیم جاں خُدائے جاں کہاں گیا
وُہ مُلتفت بہ خندہ ہائے غیر کس طرف ہے آج
وُہ بے نیازِ گریہ ہائے دوستاں کہاں گیا
وُہ ابر و برق و باد کا جلیس ہے کِدھر نہاں
وُہ عرش و فرش و ماوراکا رازداں کہاں گیا
وُہ میزباں کہاں ہے جس کی دید بھی محال تھی
جو آج تک نہ آسکا وُہ میہماں کہاں گیا
بُجھی پڑی ہے ماہتاب و کہکشاں کی انجمن
وُہ صدرِ بزمِ ماہتاب و کہکشاں کہاں گیا

یہ کائناتِ آب و گِل ہے جس کے غم میں مُضمحِل
دِیا ہے جس نے سوزِ دِل وُہ مہرباں کہاں گیا
ترس رہے ہیں دُور دُور تک اُداس راستے
مُسافرو بتاؤ میرِ کارواں کہاں گیا

اعتراف

ترے کرم نے مجھے کر لیا قبول مگر
مرے جنوں سے محبت کا حق ادا نہ ہوا

ترے غموں نے مرے ہر نشاط کو سمجھا
مرا نشاط ترے غم سے آشنا نہ ہوا

کہاں کہاں نہ مرے پاؤں لڑکھڑائے مگر
ترا ثبات عجب تھا کہ حادثہ نہ ہوا

ہزار دشنہ و خنجر تھے میرے لہجے میں
تری زباں پہ کبھی حرفِ ناروا نہ ہوا

ترا کرم جو گھٹا بھی تو بے پناہ رہا
مرا سلوک بڑھا بھی تو منصفانہ ہوا

ترے دُکھوں نے پکارا تو مَیں قریب نہ تھا
مرے غموں نے صدا دی تو فاصلہ نہ ہُوا

ترے مجاز میں اُس کے لئے پرستش تھی
خدا کا نام لئے جس کو اِک زمانہ ہُوا

ہزار شمعوں کا بنتا رہا مَیں پروانہ
کسی کا گھر، ترے دل میں، مرے سوا نہ ہُوا

مری سیاہیٔ دامن کو دیکھنے پر بھی
ترے سفید دوپٹوں کا دل بُرا نہ ہُوا

خزَف کی جیب میں کیا تھا سوائے گمنامی
بس ایک گوہرِ نایاب سے خزانہ ہُوا

تو مری شمع دِل و دیدہ

وُہ کوئی رقص کا انداز ہو یا گیت کی تان
میرے دِل میں تری آواز اُبھر آتی ہے
تیرے ہی بال بکھر جاتے ہیں دیواروں پر
تیری ہی شکل کتابوں میں نظر آتی ہے

شہر ہے یا کسی عیار کا پُر ہَول طلسم
تُو ہے یا شہرِ طلسمات کی ننھی سی پری
ہر طرف سیلِ رواں، بس کا دھواں، ریل کا شور
ہر طرف تیرا خنک گام، تری جلوہ گری

ایک اک رگ تری آہٹ کے لئے چشم براہ
جیسے تُو آئے گی بس کوئی گھڑی جاتی ہے
تیری پرچھائیں ہے یا تُو ہے مرے کمرے میں
بلب کی تیز چمک ماند پڑی جاتی ہے

ٹینک سڑکوں پہ چلیں جیپ کے آگے پیچھے
دِن گُذرتا ہے تِرا سایۂ ابرُو لے کر
فلسفے تُند حقائق کی شعُاعیں ڈالیں
شامِ آتی ہے تِری آنکھ کا جادُو لے کر
میں اِسی گیس کی دُنیا میں تعفّن کے قریب
شعر لِکھتا ہُوں تِرے جِسم کی خُوشبو لے کر

نذرِ حسنا

نغمہ و رنگ مرے حلقۂ ماتم میں نہ آ
صبحِ فردوس مری شامِ جہنّم میں نہ آ
میرے سینے میں گناہوں کی فراوانی ہے
دشت کی دھوپ ہے، طوفان کی طغیانی ہے
خارِ بے مایہ کی تکریم بڑھا دی میں نے
لذّتِ زخم کو ہر بار دعا دی میں نے
آگ کے واسطے کوثر کا سبو توڑ دیا
رشتۂ دامنِ جبریل ابھی چھوڑ دیا
اپنا گھر پھونک دیا قریۂ ویراں کے لئے
دل لہو کر لیا ہر رنگ کے پیکاں کے لئے
مشقِ ماتم کے لئے زمزمہ خوانی کھو دی
دشت کے واسطے دریا کی روانی کھو دی
چاکِ پیراہنِ دل چاک رہا اور نہ سیا
عقل کو دانۂ گندم کے عوض بیچ دیا

چھوڑ کر اپنا بھرم ملّتِ اِسلامی میں
رات بھر جشن کیا کُوچۂ بدنامی میں
نہ دُعائیں نہ حکایاتِ ذُوالاکرام رہیں
لب و رُخسار کی گلیاں سحر و شام رہیں

پھر نہ اِس معصیتِ دل میں جلا شمعِ ظہور
میری انجیلِ تمنّا مری تفسیرِ زبُور
پھر نہ وُہ درد اُٹھا جو غمِ اِدراک میں ہے
پھر نہ اُس چوٹ کو اُکسا جو رگِ خاک میں ہے
تُو جو آتی ہے اندھیرے میں شبستاں بن کر
دیر تک زخم لہکتے ہیں بہاراں بن کر
مُنہ سے کچُھ بھی نہیں کہتی ہیں نگاہیں تیری
برچھیاں بن کے اُتر جاتی ہیں آہیں تیری
ایک اک خُون کا قطرہ نگراں ہوتا ہے
ایک اک لمحہ ملامت کی زباں ہوتا ہے

لَوٹ جا ، رُوحِ وفا، جِسم نہ پالے تجھ کو
میرے جنگل کی گھنی رات نہ آلے تجھ کو
کہیں تُو بھی نہ مِرے ساتھ فنا ہو جائے
یہ لہُو بھی نہ کہیں نذرِ حنا ہو جائے

ایک عصرانہ

جانِ محفل، ترا اندازِ سخن جو کچھ ہو
تیری افتاد، ترے دل کی لگن جو کچھ ہو
تجھ کو آتا ہو ستاروں سے کنایہ کرنا
تُو نے سیکھا ہو خداؤں کو رعایا کرنا
لفظ کی اوٹ میں کھلتے ہوں معانی کیا کیا
بات بنتی ہو اِشاروں کی زبانی کیا کیا

آج ٹوٹا یہ طلسمِ لب و سحرِ امکاں
جب تری جنبشِ ابرُو سے نہ چٹکیں کلیاں
تُو نے تسخیر و تعلق کے لئے کیا نہ کیا
اُس نے اِظہار تو کیا، وہمِ تمنّا نہ کیا
اَے کہ تُو شمعِ سرِ طُور ہے کاشانوں میں
نام بھی اُس نے نہ پُوچھا ترا مہمانوں میں

سہرا

یارو شہیدِ رسمِ جفا ہم ہُوئے کہ تم
اپنی سلامتی سے خفا ہم ہُوئے کہ تم
ہم پر ہنسے گا جو بھی سُنے گا یہ واردات
رُسوا سرِ سموم و صبا ہم ہُوئے کہ تم
مانا کہ وُہ ہمارے مقدّر سے دُور ہے
اُس کے لئے دُعا ہی دُعا ہم ہُوئے کہ تم
مانا کہ ہم پہ اُس کی محبّت حرام ہے
چُپ چاپ کُشتگانِ وفا ہم ہُوئے کہ تم
ہم اُس ہوا کو چُوم رہے ہیں جہاں وُہ تھی
بیعت کُنانِ دستِ صبا ہم ہُوئے کہ تم
مشرق کے ہر رواج کی قربان گاہ پر
ہمسایۂ صد شہدا ہم ہُوئے کہ تم
جس کی خموشیوں میں حکایت کا سوز تھا
اُس کی حکایتوں کی بِنا ہم ہُوئے کہ تم

ہے اُس کے چشم و رُخ کی ضیا غیر کے لئے
ہاں اُس کے چشم و رُخ کی حیا ہم ہُوئے کہ تُم
اُن انکھڑیوں میں شرم کے ڈورے کہاں سے آئے
اُن اُنگلیوں پہ رنگِ حِنا ہم ہُوئے کہ تُم
لِکھا ہو دِل کے سارے سِتاروں نے جس کا نام
اُس کہکشاں پہ آبلہ پا ہم ہُوئے کہ تُم
اِس عقل و فہم و عُمر و فراست کے باوجُود
ذہنِ رقیب و دستِ گدا ہم ہُوئے کہ تُم

ہم لوگ

آؤ اُس یاد کو سینے سے لگا کر سو جائیں
آؤ سوچیں کہ بس اک ہم ہی نہیں تیرہ نصیب
اپنے ایسے کئی آشفتہ جگر اور بھی ہیں

ایک بے نام تھکن، ایک پُر اسرار کسک
دل پہ وہ بوجھ کہ بھولے سے بھی پوچھے جو کوئی
آنکھ سے جلتی ہوئی رُوح کا لاوا بہہ جائے

چارہ سازی کے ہر انداز کا گہرا نشتر
غم گساری کی روایات میں اُلجھے ہوئے زخم
دردمندی کی خراشیں جو مٹائے نہ مٹیں

اپنے ایسے کئی آشفتہ جِگر اَور بھی ہیں
لیکن اَے وقت وُہ صاحب نَظَراں کیسے ہیں
کوئی اُس دیس کا مِل جائے تو اِتنا پُوچھیں
آج کل اپنے مسیحا نفَساں کیسے ہیں
آندھیاں تو یہ سُنا ہے کہ اُدھر بھی آئیں
کونپلیں کیسی ہیں، شیشوں کے مکاں کیسے ہیں؟

رفتگاں

زمانہ ختم ہو گیا
لہو میں تھا جو رقصِ والہانہ ختم ہو گیا

گرج برس کے بادلوں کے قافلے گذر گئے
وہ منزلیں گذر گئیں، وہ فاصلے گذر گئے
زمیں سے آسماں تک اِک طلسم اِک فسانہ تھا
فسانہ ختم ہو گیا

تمام رات مُشتری کی انجُمن سجی رہی
فضا میں دُور دُور اشرفی کے ڈھیر لگ گئے
سحر ہُوئی تو چاند کا خزانہ ختم ہو گیا

سکُوتِ حال میں نشاطِ آرزُو، نہ دھڑکنیں
سرودِ رفتہ میں غمِ شبانہ ختم ہو گیا
نیازِ حسُن و سوزِ عاشقانہ ختم ہو گیا
روایتوں کا ربطِ غائبانہ ختم ہو گیا

سودا

وُہ تو کیا، سب کے لئے فیصلہ دُشوار نہیں
اِک طرف برف کے ڈھیر، ایک طرف شعلۂ طُور
اِک طرف ساعتِ شب، ایک طرف صُبح نوید
اِک طرف آگ کی رَو، ایک طرف حُور و قصُور
اِک طرف لذّتِ ہر رنگ سو وُہ بھی فوراً
اِک طرف وعدۂ فردا سو وُہ نزدیک نہ دُور

اُس کے اِس طرزِ تغافل کی شکایت تو نہیں
ہاں مگر اُس سے یہ ادنیٰ سی گُذارِش ہے ضرور
اِک چُرائے ہُوئے ناپاک تبسّم کے عوض
اُس نے بیچا ہے سُلگتے ہُوئے اشکوں کا غرُور

اندوہِ وفا

آج وُہ آخری تصویر جلا دی ہم نے
جس سے اُس شہر کے پھولوں کی مہک آتی تھی
آج وُہ نکہتِ آسودہ لٹا دی ہم نے
عقل جس قصر میں انصاف کیا کرتی ہے
آج اُس قصر کی زنجیر ہلا دی ہم نے

آگ کاغذ کے چمکتے ہُوئے سینے پہ بڑھی
خواب کی لہریں بہتے ہُوئے آئے ساحل
مُسکراتے ہُوئے ہونٹوں کا سُلگتا ہُوا کرب
گُنگناتے ہُوئے عارض کا دمکتا ہُوا تِل
جگمگاتے ہُوئے آویزوں کی مُبہم فریاد
سرسراتے ہُوئے لمحوں کے دھڑکتے ہُوئے دِل

ایک دِن رُوح کا ہر تار صدا دیتا تھا
کاش ہم بِک کے بھی اِس جنسِ گراں کو پالیں
قرضِ جاں دے کے متاعِ گُذَراں کو پالیں
خُود بھی کھو جائیں پر اِس رَمزِ نہاں کو پالیں

اَور اب یاد کے اِس آخری پیکر کا طِلِسم
قِصّۂ رفتہ بنا، خواب کی باتوں سے ہُوَا
اُس کا پیار، اُس کا بدن، اُس کا مہکتا ہُوَا رُوپ
آگ کی نذر ہُوَا اَور انھیں ہاتوں سے ہُوَا

وصال

وُہ نہیں تھی تو دِل اِک شہرِ وفا تھا، جس میں
اُس کے ہونٹوں کے تصوّر سے تپش آتی تھی
اُس کے اِنکار پہ بھی پھُول کِھلے رہتے تھے
اُس کے انفاس سے بھی شمع جلی جاتی تھی

دِن اِس اُمّید پہ کٹتا تھا کہ دِن ڈھلتے ہی
اُس نے کچھ دیر کو مِل لینے کی مُہلت دی ہے
اُنگلیاں برق زدہ رہتی تھیں، جیسے اُس نے
اپنے رُخساروں کو چھُونے کی اِجازت دی ہے

اُس سے اِک لمحہ الگ رہ کے جنُوں ہوتا تھا
جی میں تھی اُس کو نہ پائیں گے تو مر جائیں گے
وُہ نہ ہوگی تو دَرک جائے گا پیمانۂ ماہ
تیرگی میں کیسے ڈھونڈیں گے، کِدھر جائیں گے

پھر ہُوا یہ کہ لپکتے ہُوئے انگاروں میں
ہم تو جلتے تھے مگر اُس کا نشیمن بھی جلا
بجلیاں جِس کی کنیزوں میں رہا کرتی تھیں
دیکھنے والوں نے دیکھا کہ وُہ خِرمن بھی جلا
اِس میں اِک یُوسفِ گُم گشتہ کے ہاتوں کے سِوا
اِک زلیخائے خُود آگاہ کا دامن بھی جلا

فراق

ہم نے جس طرح سبُو توڑا ہے ـــ ہم جانتے ہیں
دلِ پُر خوں کی مئے ناب کا قطرہ قطرہ
جوئے الماس تھا، دریائے شبِ نیساں تھا
ایک اک بُوند کے دامن میں تھی موجِ کوثر
ایک اک عکس حدیثِ حرمِ ایماں تھا
ایک ہی راہ پہنچتی تھی تجلّی کے حضوُر
ہم نے اُس راہ سے مُنھ موڑا ہے ـــ ہم جانتے ہیں

ماہ پاروں کے طلسمات میں تیرا افسُوں
شیوہ و شعبدہ و رسم و روایات میں تُو
حرف و تقریر میں تُو، رمز و کنایات میں تُو
خواب کی بزم تری، دیدۂ بے خواب ترا
صُبح کے نور میں تُو، نیند بھری رات میں تُو
دل کی دھڑکن کا ترے قُرب کے لمحوں پہ مدار
ہم نے جس طرح تجھے چھوڑا ہے ـــ ہم جانتے ہیں

- شفیق الرحمٰن : موجودہ دور میں شگفتہ اور صحت مند ادب کا بانی ہے۔

——— ادبِ لطیف

- شفیق الرحمٰن : کے افسانے پڑھ کر شوخ رنگوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ سرخا سرخ نارنجی، یاقوتی اور زعفرانی۔

——— کرشن چندر

- سارے نئے ادب میں بس لے دے کے ایک شفیق الرحمٰن صاحب ہیں جنھوں نے تفریحی ادب کی طرف توجہ کی ہے۔ یہ شگفتگی، یہ لاابالی پن، یہ چلتی ہوئی جگمگاہٹ بس انہی کا حصہ ہے۔

——— محمد حسن عسکری۔

- شفیق الرحمٰن کی کہانیوں میں تکلف اور پیچیدگیاں نہیں ہوتیں ان کے۔ مالی اور شگفتہ افسانوں میں بہت سادگی اور روانی ہے۔

حجاب امتیاز علی تاج

شفیق الرحمٰن
کے ہنستے مسکراتے مجموعے

- ★ حماقتیں
- ★ مزید حماقتیں
- ★ پرواز
- ★ لہریں

ناشر: مکتبہ میری لائبریری لاہور ۲

آل بشیر پرنٹرز لاہور ۲